سیرت پاک

برہان الاتقاء، عابدہ، صالحہ، زاہدہ، عارفہ، کاملہ

حضرت سیّدہ

رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

سیّد ارتضیٰ علی کرمانی

نذرانہ عقیدت

بارگاہِ رسالت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

عاشق ہے جس پہ عشق وہ عشقِ رسولؐ ہے
جس دل میں تیرا عشق وہ وحدت کا پھول ہے

آقا تمہارے نام پہ سب کچھ نثار ہے
عشقِ محمدیؐ کا یہ پہلا اصول ہے

مدحت بیاں کروں کیا اوقات ہے میری
قرآن سارا دیکھئے نعتِ رسول ہے

مرضی خدا کی مرضیِ احمدؐ کا ہے کمال
اچھا یہ عاشقی میں نرالا اصول ہے

آباد جس کے دل میں بھی عشقِ رسولؐ ہے
وہ بزمِ کائنات میں جنت کا پھول ہے

سگ ہوں میں اہل بیت کا مجھ کو فخر ہے یہ
عشقِ اہل بیت ہی عشقِ رسول ہے

ان کے کرم کی بات سے توقیر ہے میری
خورشید بھی تو آپ کے قدموں کی دھول ہے

خادم سید خورشید احمد الامامی چشتی

سیرت پاک

برہان الاتقاء' عابدۂ' صالحہ' زاہدہ' عارفۂ کاملہ

حضرت سیدہ رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا

سید ارتضیٰ علی کرمانی

عظیم اینڈ سنز پبلشرز
الکریم مارکیٹ' اردو بازار لاہور' فون نمبر 7231806

حاجی محمد عظیم بٹ
نے گنج شکر پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر
جمادی الثانی 1421ھ بمطابق جولائی 2001ء میں
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور سے
شائع کی

قیمت: =/120 روپے

حسنِ ترتیب

عنوان	صفحہ نمبر
حضرت سیدہ رابعہ بصریؒ	13
ولادت باسعادت	15
بچپن کے دن	28
حالات زندگی	34
تصوف	35
ذوق عبادت	39
حصول علم	41
سیرت پاک کے مختصر واقعات	44
دنیا سے بے رغبتی	85
مشہور کرامات	100
معاصرین سیدہ رابعہ بصریؒ	112
اللہ تعالیٰ کی قربت	170
عصمت و عفت کی روشن تصویر	172
وصال	183
ارشادات رابعہ بصری	187

میری عرض

بِسْمِ اللّٰہِ الرحمٰن الرحیم ۔ الحمد لِلّٰہ رب العالمین والصلوۃ کاملة والسلام تاما کما یحب و یرضیٰ ربنا علیٰ سیدنا و مولانا محمد رحمته للعالمین و خاتم النبیّن وعلیٰ آله واصحابه اجمعین فی کل مقام و حین۔ اما بعد

بے شک تمام تعریف اللہ عزوجل کے لئے ہے جو تمام جہانوں اور تمام جہانوں میں رہنے والوں کا مالک و خالق ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کے احسانات کا شمار ممکن ہی نہیں۔ تمام جہانوں کی تمام مخلوقات بھی اگر جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کے کسی بھی ایک احسان کا شکر ادا نہیں کر سکتیں۔ اللہ تعالیٰ کے کروڑوں احسانات میں ہم پر اس کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے ہمیں امت محمد رسول ﷺ میں پیدا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا و مولا ﷺ کو صرف ہمارے لئے ہی نہیں بلکہ تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ کی بڑی شان ہے جس کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔ آپ کی حیات طیبہ کا ہر گوشہ علماء و فضلاء کے لئے باریکیاں

لئے ہوئے ہے۔

آنحضرت ﷺ کی شریعت مقدسہ پر جن محترم لوگوں نے احسن طریقے سے عمل کیا اور اپنے دوستوں کو بھی شریعت پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی انہیں اولیائے کرام کہا جاتا ہے دراصل صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد انہی مقدس و مکرم بزرگوں نے تبلیغ دین کا بیڑہ اٹھایا تھا اور بلاشک و شبہ انہی بزرگوں کی شاندار مساعی کے نتیجہ میں دیار عرب کے باہر دین متین نے خوب ترقی کی خصوصاً خطہ عراق، ایران اور برصغیر میں ان بزرگوں کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

انہی مقدس و محترم اور برگزیدہ ہستیوں میں ایک نہایت ہی معتبر نام ہے حضرت سیدہ رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا، آپ کا نام آپ کی بزرگی کی وجہ سے زبان زد عام ہے۔ عام طور پر آپ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ آپ سلسلہ قلندری سے تعلق رکھتی تھیں مگر اس بات کی تصدیق نہیں ہوسکی۔ کہا یہ جاتا ہے کہ دنیا میں اڑھائی قلندر ہوئے ہیں ایک حضرت بو علی قلندر دوسرے حضرت لعل شہباز قلندر اور عورت ہونے کے ناطے سے آدھا قلندر سیدہ رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو کہا جاتا ہے۔

لیکن جب مخدومہ کی زندگی کے روزوشب پر نظر ڈالی جاتی ہے تو ہمیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ جو نظریہ ہمیں طریقہ قلندری میں بتلایا جاتا ہے وہ مخدومہ کی زندگی میں دکھائی نہیں دیتا، قلندر کے بارے میں ہمیں یہ بتلایا جاتا ہے کہ قلندر ظاہری طور پر عبادت نہیں کرتا اور نہ ہی پابند شریعت ہوتا ہے۔ مگر مخدومہ کی زندگی کے مطالعہ سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے آپ کی زندگی کا کوئی ایک بھی لمحہ عبادت کے بغیر بسر نہیں ہوا تھا۔

مخدومہ نے ہمیشہ نماز اور روزے کی اہمیت پر زور دیا اور اس پر عمل کرکے بھی دکھلایا۔ آپ نے ہمیشہ پاکیزگی اور طہارت کا ہی درس دیا اور اپنے عقیدت

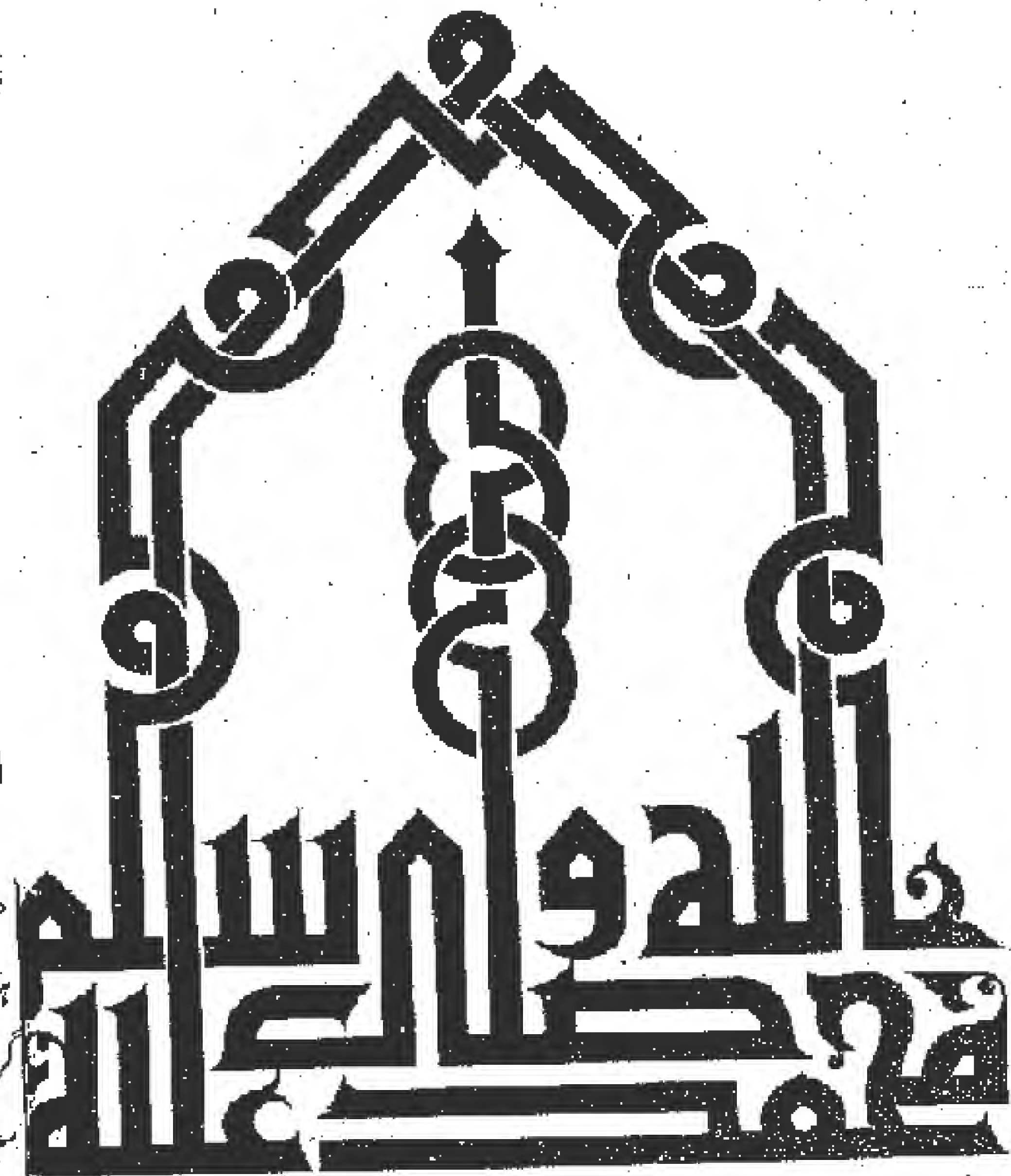
مندوں کو ہمیشہ یہی تلقین فرمائی کہ عبادت بغیر کسی لالچ اور بغیر کسی خوف کے کریں۔ یعنی مخدومہ نے اپنی پوری زندگی عبادت الٰہی کی تلقین فرمائی۔ اسی لئے آپ کا مرتبہ بلند پایہ بزرگوں میں کیا جاتا ہے۔

اللہ کریم غفور الرحیم سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے پاک بندوں کے طفیل بخش دے اور ہمارے کبیرہ و صغیرہ گناہوں کو معاف فرمادے۔ ہمیں بروز حشر اپنے دیدار سے مشرف فرمائے اور اپنے حبیب اور ہمارے آقا و مولا ﷺ کی شفاعت سے سرفراز فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

ازاحقر العباد

خاکپائے سگ سگان کوئے مدینہ

سید ارتضٰی علی کرمانی



حضرت سیدہ رابعہ بصریؒ

الحمد لِلّٰہ رب العالمین۔ الصلوٰۃ والسلام علیك سید المرسلین و خاتم المرسلین و خاتم الانبیاء امابعد اعوذ بِاللّٰہِ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔

عنایتِ رب العالمین، برہان الاتقیاء، عابدہ، صالحہ، زاہدہ، عارفہ کاملہ، حضرت رابعہ سیدہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا شمار اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ خواتین میں ہوتا ہے۔ آپ شب و روز عبادت الٰہی میں مشغول رہتی تھیں اور کثرت سے گریہ زاری کرتی رہتی تھیں۔ جب آپ سے کثرت سے گریہ زاری کرنے کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میں تو اس کے فراق سے خوفزدہ ہوں جس کو محفوظ تصور کرتی ہوں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ نزع کے وقت یہ ندا آجائے کہ تو تو ہماری بارگاہ کے لائق ہی نہیں ہے۔

اسلامی تصوف میں پہلی خاتون جنہیں شہرت دوام حاصل ہوئی۔ بچپن ہی میں ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ انتہائی غربت و افلاس کے باوجود آپ نے اپنی تعلیم جاری رکھی۔ روایت ہے کہ حضرت رابعہ بصریؒ نے قرآن کریم حفظ کیا تھا

اور آپ کو احادیث رسول ﷺ پر بھی پورا عبور حاصل تھا۔ ایک بار بصرہ میں شدید قحط پڑا، بھوک سے مجبور ہو کر رشتے داروں نے آپ کو عتیق نامی سوداگر کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ پھر دور غلامی میں آپ کی روحانیت کے اسرار کھلے...... مشہور ہے کہ حضرت امام حسن بصریؒ جیسے عظیم و جلیل بزرگ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

انسان جلد باز بھی ہے ناشکرا بھی اور ظالم بھی۔ بنی نوع آدم کی ان ہی کیفیات اور جذبات کو خالق کائنات نے بڑے عجیب پیرائے میں بیان کیا ہے...... کبھی کہا گیا کہ جب ہم اسے رنج والم دیتے ہیں اور کسی آزمائش میں مبتلا کر دیتے ہیں تو بار بار آسمان کی طرف دیکھتا ہے اور نہایت شکستہ و غم زدہ لہجے میں کہتا ہے کہ اس پر میرا کوئی اختیار نہیں، یہ سب تو آسمان کی طرف سے ہے...... پھر جب ہم اس کی گریہ و زاری سن کر اس کے سر سے بلاؤں کو ٹال دیتے ہیں اور اسے اپنی نعمتوں سے سرفراز کر دیتے ہیں تو وہ بطور فخر کہتا ہے کہ...... "یہ سب کچھ میرے زور بازو کا نتیجہ ہے۔" انسان کے اسی منافقانہ جذبے کا نام ظلم ہے۔ "شکست و ریخت" کو اللہ کے فیصلوں سے تعبیر کرتا ہے...... اور فتوحات کو اپنی کوشش و تدبر کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔

ناشکرا اس لئے ہے کہ اللہ کی بخشی ہوئی بے شمار نعمتوں کو بے دریغ اپنے استعمال میں لاتا ہے مگر دینے والے کی بے مثال فیاضیوں کا اعتراف نہیں کرتا۔ گردش روز و شب کو محض ایک اضطراری عمل سمجھتا ہے کہ ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں، سو چلتی ہی رہیں گی...... بارش ہو رہی ہے، سو ہوتی ہی رہے گی...... مگر جب اچانک اس نظام میں خلل پڑ جاتا ہے تو پھر آسمان کی طرف منہ اٹھا کر چیخنے لگتا ہے۔

"ہوائیں بند کیوں ہو گئیں...... اور بارش کرم رک کیوں گئی؟ اے ابر کو چلانے والے! ہواؤں کو چلا...... اور اے پانی کے برسانے والے

پانی برسا۔"

پھر جب مرطوب ہوائیں نہیں چلتیں اور زمین کو زندگی بخشنے والا پانی نہیں برساتا تو یہی ناشکرے لوگ بزرگان دین کی خانقاہوں کا رخ کرتے ہیں۔ کھلے میدانوں میں نماز استسقاء پڑھتے ہیں۔ صدقات و خیرات بھی کرتے ہیں مگر بعض اوقات پانی پھر بھی نہیں برستا۔ گویا انسان کے گناہ اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ رحمت باری جوش میں نہیں آتی۔ قدرت طے کرتی ہے کہ اب ناشکر گزاروں کی اس بستی کو سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑا جائے گا۔

ولادت باسعادت

یہ 95 ہجری کی ایک بابرکت شب کی بات ہے کہ بصرہ کے ایک نیک سیرت شخص جناب شیخ اسماعیل رحمتہ اللہ علیہ کے گھر بیٹی کی ولادت ہوئی۔ چونکہ تین بیٹیاں پہلے بھی موجود تھیں اس لئے نو مولود کا نام رابعہ رکھا گیا۔ اس نام رکھنے کی وجہ یہی تھی کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سب بہنوں سے چھوٹی اور چوتھی بہن تھیں۔ حضرت شیخ اسماعیل رحمتہ اللہ علیہ ایک سفید پوش شخص تھے۔ گھر میں تنگدستی کا عالم تھا۔ غربت اور عسرت کے ان دنوں میں بیٹی کی ولادت ہوئی تو حالت یہ تھی کہ گھر میں چراغ جلانے کے لئے تیل تک نہ موجود تھا کہ جس سے روشنی کا ہی اہتمام کر لیا جاتا۔ انہوں نے کبھی کسی کے آگے دست سوال دراز نہ کیا تھا۔ گھر کی اس حالت کو دیکھ کر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی والدہ ماجدہ نے آپ کے والد ماجد سے کہا کہ فلاں ہمسایہ سے تھوڑا سا قرض لے لیں تاکہ ضرورت کی چیزیں لا سکیں۔ آپ کے والد ماجد نے اس بات کا اپنے دل میں عہد کر رکھا تھا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگیں گے مگر چونکہ معاملہ ایسا آن پڑا تھا کہ اب اس کے سوا کوئی چارہ دکھائی نہیں دیا کہ کسی سے قرض لے لیا جائے۔ چنانچہ بادل نخواستہ

نصف شب کے وقت گھر سے نکلے اور ہمسایہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ہمسایہ گہری نیند سویا ہوا تھا اس لئے اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ دل گرفتہ ہو کر چپکے سے واپس اپنے گھر آ گئے اور پریشانی کے عالم میں سو گئے۔

خواب میں ان کو حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اے اسماعیل! دل گرفتہ نہ ہو اور غم نہ کر۔ تیری یہ بچی جو آج پیدا ہوئی ہے مقبول بارگاہ الٰہی ہو گی۔ اس کے روحانی فیض سے دنیا کو فائدہ پہنچے گا اور میری امت کے ہزاروں لوگ اس کی دعا اور شفاعت سے بخشے جائیں گے۔ اگر تم اپنی غربت کی وجہ سے دل گرفتہ ہو تو پھر صبح کے وقت اٹھ کر بصرہ کے حاکم عیسٰی زروان کے پاس جانا اور میری طرف سے ایک خط لکھ لینا اور کہنا کہ تم ہر رات کو ایک سو بار درود شریف پڑھا کرتے تھے اور جمعرات کی شب چار سو بار درود پاک کا تحفہ بھیجتے تھے لیکن گزشتہ جمعرات کو تم نے درود پاک کا تحفہ نہیں بھیجا اور درود پاک پڑھنا بھول گئے ہو اس لئے اس کے کفارہ میں چار سو دینار حامل رقعہ کو دے دو۔ حاکم بصرہ سے جو دینار ملیں گے ان کو خرچ کر لینا۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے والد ماجد جب نیند سے بیدار ہوئے تو رات کے خواب کے بارے میں سوچتے ہوئے آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل کرنے کو اپنی خوش بختی خیال کیا اور اس خیال کے آتے ہی دل پر رقت طاری ہو گئی۔

خوب روئے اور پھر جب سکون قلبی ہوا تو خط لکھا اور بصرہ کے حاکم کے محل پر جا پہنچے۔ دربان کو خط دیا تاکہ وہ حاکم بصرہ تک پہنچا دے۔ دربان خط لے کر حاکم بصرہ کے پاس آیا اور شیخ اسماعیل رحمتہ اللہ علیہ کا لایا ہوا خط پیش کیا۔ حاکم بصرہ نے جب خط پڑھا تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، پوچھا کہ خط لے کر آنے والا معزز شخص کہاں ہے؟ دربان نے کہا کہ وہ باہر محل کے دروازے پر کھڑا ہے۔

یہ سنتے ہی حاکم بصرہ دیوانہ وار باہر دروازے کی طرف بھاگا اور شیخ اسماعیل رحمتہ اللہ علیہ کو سینے سے لگا لیا۔ ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ دل پر رقت کے باعث آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ کہا اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ کی وجہ سے حضور نبی کریم ﷺ نے مجھے یاد فرمایا ہے۔ اس کے بعد اس نے بڑی خوشی کے ساتھ چار سو دینار شیخ اسماعیل رحمتہ اللہ علیہ کو پیش کئے اور اس خوشی میں کہ اسے حضور سرور کائنات ﷺ نے یاد فرمایا ہے۔ دس ہزار دینار بطور شکرانہ غرباء و فقراء میں تقسیم کئے۔ اگلے دن بذات خود حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے گھر حاضری دی اور بڑی عقیدت و مسرت کا اظہار کرتے ہوئے وہاں سے رخصت ہوا۔

ایک اور روایت کچھ اس طرح ہے کہ بصرہ میں ایک عابد و زاہد شخص اسماعیلؒ رہا کرتے تھے۔ ان کی مالی حالت انتہائی شکستہ تھی مگر اپنی فطری قناعت کے سبب کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے تھے۔ شیخ اسماعیلؒ کی تین بیٹیاں تھیں جس رات چوتھی بیٹی حضرت رابعہؒ پیدا ہوئیں شیخ اسماعیل کی بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ چراغ تک جلانے کے لئے گھر میں تیل بھی نہیں تھا۔ شیخ اسماعیل نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا تھا مگر جب شریک حیات نے بار بار کہا تو آپ رات کی تاریکی میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور پڑوسی کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی۔ پڑوسی گہری نیند سویا ہوا تھا، اس لئے اس نے دستک کی آواز نہیں سنی۔ شیخ اسماعیلؒ کچھ دیر تک دروازہ کھلنے کے انتظار میں کھڑے رہے مگر جب پڑوسی کے قدموں کی چاپ سنائی نہیں دی تو آپ خاموشی کے ساتھ گھر لوٹ آئے۔

حضرت رابعہ کی والدہ نے شوہر کو خالی ہاتھ آتے دیکھا تو پریشان لہجے میں کہا۔ "کیا پڑوسی نے مدد کرنے سے انکار کر دیا۔؟"

"کہاں کی مدد اس نے تو دروازہ تک نہیں کھولا۔" شیخ اسماعیلؒ نے افسردہ

لہجہ میں فرمایا۔

"بڑی حیرت کی بات ہے۔" حضرت رابعہؒ کی والدہ نے اس طرح کہا جیسے انہیں شوہر کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔

"تمہیں حیرت کیوں ہے۔؟" شیخ اسماعیل نے فرمایا۔ "جو لوگ ایک دروازے کو چھوڑ کر دوسرے دروازے پر دستک دیتے ہیں ان کا یہی حال ہوتا ہے" یہ کہہ کر آپ اپنے کمرے میں چلے گئے۔

اس کے بعد شیخ اسماعیلؒ بہت دیر تک بستر پر لیٹے ہوئے کروٹیں بدلتے رہے۔ آپ کو پڑوسی کے اس رویے پر بہت دکھ ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس بات کا بھی نہایت قلق تھا کہ آپ اس کے دروازے پر کیوں گئے تھے۔؟ یہ ذہنی کشمکش بہت دیر تک جاری رہی اور پھر اسی عالم میں آپ کو نیند آگئی۔

شیخ اسماعیلؒ نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ آنحضرت ﷺ فرما رہے تھے۔ "اسماعیل! اپنی بے سروسامانی کا غم نہ کر۔ تیری یہ بچی اپنے وقت کی بہت بڑی عارفہ ہوگی اور اس کی دعاؤں سے میری امت کے بہت سے افراد بخشے جائیں گے۔ تم ایسا کرو کہ حاکم بصرہ عیسیٰ زروان کے پاس جاؤ اور اس سے کہہ دے کہ وہ مجھ پر ہر رات سو بار اور شب جمع میں چار سو مرتبہ درود بھیجتا تھا مگر گزشتہ جمعے کی رات اس نے میری بارگاہ میں درود کا تحفہ نہیں بھیجا۔ اس لئے اسے چاہئے کہ وہ کفارے کے طور پر میرے قاصد کو چار سو دینار ادا کر دے۔"

شیخ اسمٰعیلؒ کی آنکھ جب کھلی تو آپ نبی کریم ﷺ کے دیدار کی لذت سے سرشار تھے۔ صبح ہوتے ہی آپ نے اپنا پورا خواب ایک کاغذ پر تحریر کیا اور حاکم بصرہ کے دربان کو دیدیا۔

حاکم بصرہ عیسیٰ زروان اس وقت اپنے دربار میں بیٹھا ہوا تھا۔ شیخ اسمٰعیلؒ کا خط جب اس نے دیکھا تو بے قرار ہو کر اپنی نشست پر کھڑا ہو گیا اور دربان سے مخاطب ہو کر بولا۔

"وہ معزز و محترم شخص کہاں ہے۔؟"

"حاکم بصرہ کے جواب کا انتظار محل کے دروازے پر کھڑا آرہا ہے۔" دربان نے عرض کیا۔

حاکم بصرہ عیسیٰ زروان تیز تیز قدموں کے ساتھ محل کے دروازے پر پہنچا اور شیخ اسمٰعیلؒ کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر کہنے لگا۔ "آپ کے طفیل مجھے سرکار دو عالم ﷺ نے یاد فرمایا اور میری غلطی کی معافی کا سبب پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔" یہ کہہ کر حاکم بصرہ نے خلوص و عقیدت کے ساتھ شیخ اسمٰعیلؒ کو چار سو دینار دیدیئے اور اسی خوشی میں اس نے دس ہزار دینار دوسرے فقراء میں بھی تقسیم کیے۔

اپنے والدین کی چوتھی اولاد حضرت رابعہ تھیں، اس لئے آپ کا نام رابعہ رکھا گیا۔ عربی زبان میں "رابعہ" چوتھی کو کہتے ہیں۔ آپ کے سال پیدائش میں اختلاف ہے مگر اکثر مورخین 97ھ پر متفق ہیں۔ ابھی آپ چار پانچ سال کی تھیں کہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ کسی بھی معتبر تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ ماں باپ کے انتقال کے بعد چاروں بہنوں کی گزر بسر کس طرح ہوئی؟ بس قیاس کیا جاسکتا ہے کہ کسی عزیز یا رشتہ دار نے مالی معاونت کی ہوگی۔ پھر جب حضرت رابعہ بصریؒ کی عمر آٹھ نو سال کی تھی تو وہ المناک واقعہ پیش آیا کہ پورا البصرہ خوفناک قحط کی لپیٹ میں آگیا۔ بھوک سے بچنے کے لئے چاروں بہنیں اپنا آبائی شہر چھوڑنے پر مجبور ہو گئیں۔ اسی سفر کے دوران ایک ظالم شخص نے حضرت رابعہؒ کو پکڑ کر بصرہ کے مالدار تاجر عتیق کے ہاتھوں فروخت کر دیا پھر آپ چار پانچ سال تک ایک کنیز کی حیثیت سے تاجر عتیق کی خدمت انجام دیتی رہیں باقی تینوں بہنوں کا کوئی پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں گئیں؟ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ معصوم بچیاں کسی حادثے کا شکار ہو کر مر گئیں۔

اس سلسلہ میں ایک تحقیق یہ بھی ہے کہ رابعہ کہتے ہیں چوتھے کو آپ کے

والد محترم جناب اسماعیل نہایت عابد و زاہد اور بڑے متقی و پرہیز گار بزرگ تھے جناب رابعہ سے پہلے آپ کی تین بیٹیاں تھی ان کے بعد جب آپ کی ولادت ہوئی تو چار بیٹیاں ہو گئیں۔ چنانچہ آپ کے والد محترم نے اسی رعایت سے آپ کا نام رابعہ رکھا۔

رابعہ کا اسم گرامی اسلام کی ان پاکیزہ اور نیک خواتین میں شمار ہوتا ہے جن کی ابتدا سے لے کر آخر تک تمام زندگی فقر و غنا سے عبارت ہے۔

رابعہ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ تسلیم و رضا اور صبر و شکر کی عملی تفسیر تھا۔ آپ کے والد محترم زمانے کی سختیاں سہتے فاقے کرتے اور نت نئے مصائب و آلام برداشت کرتے چلے جاتے مگر زبان سے کبھی شکایت نہ کرتے اور نہ کسی کے سامنے سوال دراز کرتے تھے۔

ظاہر ہے ایسے صابر و شاکر باپ کی بیٹی جو نظر تا عابدہ و زاہدہ بھی شروع ہی سے ہو آنے والے زمانے میں اپنے وقت کی صاحب عظمت اور خدا رسیدہ خاتون کیونکر نہ ہو گی۔

رابعہ کے والد ایک مفلوک الحال شخص تھے۔ عالم یہ تھا کہ جس رات آپ کی ولادت ہوئی کپڑا لتہ تو ایک طرف گھر میں اتنا بھی نہیں تھا کہ چراغ جلایا جا سکتا۔

رابعہ کی والدہ نے جناب اسماعیل سے کہا کہ جائیے فلاں پڑوسی کے ہاں سے تھوڑا سا تیل مانگ لائیے۔ یہ عہد کر چکے تھے کہ میں کبھی کسی سے کوئی سوال نہیں کروں گا۔

خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

کے مصداق خود کو دست سوال دراز کر کے دوسروں کی نگاہوں سے نہیں گرائیں گے مگر اب موقع کی نزاکت اور بیوی کے اصرار پر بادل نخواستہ ایک پڑوسی کے گھر پہنچے مگر وہاں سے خالی ہاتھ لوٹ آئے۔ بیوی نے پوچھا۔

کیونکہ کیا ہوا لیے وہ دروازہ نہیں کھولتا۔

اسماعیل کو پڑوسی کی اس بے مہری اور اپنے سوال کے ہاں لے جانے کا بے حد قلق تھا۔ اسی عالم میں سوچتے سوچتے آنکھ لگ گئی خواب میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی جب آنکھ کھلی تو جو کچھ خواب میں دیکھا اور یاد تھا اسے ایک پرچہ پر لکھ کر امیر البصرہ کے پاس بھیج دیا۔ امیر نے مضمون پڑھتے ہی حکم دیا کہ دس ہزار درہم فقیروں کو اس شکرانے میں دے دیے جائیں کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے مجھے یاد فرمایا اور چار سو دینار اس مرد کو دے آؤ اور اسے میرے پاس بلا لاؤ۔ پھر وہ فوراً ہی بولا نہیں نہیں یہ بے ادبی ہے جسے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہو مجھے اس کی خدمت میں خود پہنچنا چاہیے، چنانچہ امیر بصرہ اسماعیل کے گھر پہنچا۔ ملاقات کی چلتے ہوئے یہ پیشکش کر دی کہ آپ کو جس شے کی ضرورت پڑے مجھے اطلاع کروا دیا کیجیے۔

قدرت خدا کہ جب رابعہ ذرا سیانی ہو گئیں تو ماں باپ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اب یہ زمانہ آپ کے امتحان و ابتلا کا شروع ہوا۔ ایک مرتبہ بصرے میں ایسا قحط عظیم پڑا کہ لوگ بچوں اور عورتوں کو اٹھا اٹھا کر لے جانے اور بیچنے لگ گئے۔

رابعہ بصری کی تین بڑی بہنیں معلوم نہیں کیا ہوا۔ کہاں گئیں وہ اس قحط کی نذر ہو گئیں خود رابعہ کا بھی یہی حال ہوا۔ ایک بے رحم ڈاکو انہیں پکڑ کر لے گیا۔ چند روز اپنے پاس رکھا پھر آپ کو ایک اور آدمی کے ہاتھ بیچ دیا۔

یہ شخص بڑا سنگدل تھا۔ آپ سے اکثر بڑی محنت و مشقت کے کام لیتا تھا۔ اکثر بھوکا پیاسا رکھتا۔ آپ اس کی خدمت کرتیں۔ مصائب اٹھاتیں مگر منہ سے اف تک نہ کرتی تھیں ایک مرتبہ آپ کسی کام کے لیے کہیں جا رہی تھیں کہ کوئی نامحرم سامنے آ گیا۔ آپ اسے دیکھ کر بے تحاشہ بھاگیں اور بھاگتے بھاگتے گر پڑیں اور ہاتھ ٹوٹ گیا۔ پروردگار کی بارگاہ میں کھڑی ہو گئیں رو رو کے

عرض کیا خدایا میں غریب و یتیم اور قیدی ہوں۔ اب ہاتھ ٹوٹ گیا۔ لیکن مجھے اس کا غم نہیں۔ معلوم نہیں تو مجھ سے راضی بھی ہے کہ نہیں میں صرف تیری رضا چاہتی ہوں اور اگر مجھے یہ حاصل ہو جائے تو مجھے کچھ فکر نہیں۔

ایک رات جناب رابعہ خدا کے حضور میں سربسجود تھیں۔ اتفاق سے مالک جاگ رہا تھا۔ اس نے کوئی آواز سنی۔ اس نے غور سے دیکھا تو رابعہ سجدے میں رو رو کے عرض کر رہی تھیں خداوند تو جانتا ہے کہ میرے دل کی خواہش تیرے احکام بجالانے کی ہے اور آنکھوں کی روشنی تیری درگاہ کی خدمت میں ہے۔ اگر میں خود مختار ہوتی تو ہر وقت تیری عبادت کرتی لیکن تو نے مجھے چونکہ اپنی مخلوق کا ماتحت بنایا ہے اس لئے تیری بارگاہ میں دیر سے حاضر ہوتی ہوں۔

مالک نے رابعہ کے یہ کلمات سنے تو ان کی تاثیر سے اس کا مردہ ضمیر جاگ اٹھا۔ شعور بیدار ہوا صبح ہوئی تو یہ دست بستہ اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگا اور بصد ادب عرض کیا کہ آپ میری طرف سے آزاد ہیں یہاں رہیں تو ہمیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں جانا چاہئیں تو آپ کو اختیار ہے۔

مکہ و مدینہ کے بعد بصرہ و کوفہ (کہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم سے آباد کئے گئے) اسلامی علوم کے دو بڑے مرکز تھے، ہر چند بصرے میں آپ نے بڑی تکلیفیں اٹھائیں طرح طرح کے مصائب و آلام برداشت کئے تاہم آپ کو بصرے کے در و دیوار سے ایک انس تھا۔ ایک والہیت تھی۔ آزادی پانے کے بعد اب آپ کی علمی زندگی کا آغاز ہوا۔ آپ نے علمائے اسلام سے تھوڑی ہی مدت میں قرآن حکیم اور فقہ و حدیث وغیرہ اہم اسلامی علوم سیکھ لئے اور ان میں یہاں تک مہارت پیدا کی کہ بڑے بڑے علماء پر فوقیت حاصل ہو گئی۔

امام سفیان ثوری، امام مالک بن دینار اور بلخی ایسے خدا پرست عالم باعمل اور عابد و زاہد بزرگ آپ کے ہم نشینوں میں شامل تھے اور اکثر مسائل میں آپ سے مشورے کیا کرتے تھے مختصراً یہ کہ جو مقام آپ نے علمی اعتبار سے پیدا کیا وہی

مقام زہد و اطاعت میں حاصل کیا اکثر ساری ساری رات عبادت و مناجات میں گزار دیتیں۔ امام سفیان ثوری کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رات کو میں رابعہ بصری کے ہاں مہمان تھا۔ میں نے یہ دیکھا کہ وہ عبادت کے لئے شام سے مصلے پر کھڑی ہوئیں اور صبح کر دی ایک گوشہ میں علیحدہ ہو کر میں نے صبح کی نماز ادا کی۔ اولیائے کرام کی سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ

فرید الدین عطار نے ایک امیر کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جناب خواجہ حسن بصری، رابعہ بصری کی زیارت کے لئے آئے، انہوں نے دیکھا ایک امیر کبیر شخص نہایت افسردہ آزردہ کھڑا ہے، خواجہ نے ماجرا پوچھا تو وہ کہنے لگا۔ میں دیناروں کی ایک تھیلی نذر کے لئے لایا ہوں مگر جناب رابعہ نے قبول فرمانے سے انکار کر دیا ہو سکے تو آپ ہی میری سفارش کو دیجئے، خواجہ اندر گئے اور اس کا پیغام پہنچایا۔ رابعہ نے روتے ہوئے کہا پروردگار جانتا ہے کہ میں اس سے دنیا مانگتے عار محسوس کرتی ہوں حالانکہ وہ تمام دنیا کا مالک ہے بھلا ایسے شخص سے کیونکر لے لوں جو اس کا مالک نہیں ہے۔

جناب رابعہ بصریہ نے جناب خواجہ حسن بصری کی مجلسوں کو سنا ہے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوئی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ رابعہ کے تجرد اختیار کرنے کا سبب جناب خواجہ کے مسلک کی پیروی کے غلبہ کا نتیجہ تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ دنیا سے بے پروائی یقیناً جناب خواجہ کی صحبت سے پائی ہوگی رابعہ دنیا کی ہر شے سے بے نیاز تھیں۔ خدا کے حضور میں ہر وقت حاضر رہنے اور بہ خیال عصیاں پر دن رات آنسو بہانے کے سوا سے کوئی دوسرا کام نہ تھا۔

یہ حکایت تو اپنی جگہ پر قطعی درست ہے لیکن یہ واقعہ خواجہ کا نہیں ہے خیال کیجئے کہ جناب رابعہ کی ولادت 95 ہجری میں یا 99 ہجری میں ہوئی ہے اور وفات 180 ہجری یا 185 ہجری میں پائی۔ جناب خواجہ کا انتقال 110 ہجری میں

ہوا ہے اس وقت جناب رابعہ کی کیا عمر ہو گی؟ کب قحط پڑا۔ مصائب میں گرفتار ہوئیں۔ اس کے بعد رہائی پائی اور طبیعت میں ایک زبردست انقلاب آیا یعنی دنیا کو ٹھکرانے اور دل سے بیزار ہو جانے کا جذبہ پیدا ہوا یہ تمام واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ جس وقت امیر بصرہ دیناروں کی تھیلی لے کر حاضر ہوا ہے۔ اس وقت جناب خواجہ اس دنیا سے بہت پہلے جا چکے تھے اصل میں یہ واقعہ امام سفیان ثوری کا ہے۔ وہی اکثر و بیشتر آپ کے پاس آتے جاتے تھے اور وہی اس موقع پر جناب رابعہ کی زیارت کر آئے تھے۔

رابعہ بصریہ کے سن ولادت کے متعلق سیرت نگاروں میں اختلاف ہے کسی نے 99 ہجری لکھا ہے کسی نے 95 ہجری بیان کیا ہے اسی طرح وفات کے متعلق بھی مختلف خیال ہیں کوئی کہتا ہے ھ میں انتقال کیا کسی نے لکھا ہے 180 ہجری میں فی اجل کو لبیک کہا۔ کسی کے نزدیک 185ھ میں رحلت فرمائی۔

خواجہ حسن بصری کے واقعات میں خواجہ فرید الدین عطار نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ جب تک رابعہ ایسی ایک ضعیف عورت نہیں آتی اس وقت تک آپ وعظ نہیں کرتے۔ اس کا سبب؟ آپ نے فرمایا ہاتھیوں کی غذا چیونٹیوں کو کیسے مل سکتی ہے۔

یہاں سوال اس سے نہیں کہ آپ نے کیا جواب دیا اور لوگوں نے آپ سے کیا پوچھا بلکہ کہنا یہ ہے کہ اگر مندرجہ بالا ولادت رابعہ کی تاریخیں درست تسلیم کر لی جائیں تو خواجہ صاحب کہ جن کا انتقال 110ھ میں ہوا ہے۔ یا مان لیا جائے کہ 111ھ یا 114ھ میں وفات پائی، خواجہ کی رحلت کے وقت رابعہ کی کیا عمر ہو گی؟ خیال تو یہ ہے کہ یہ واقعہ بھی خواجہ حسن بصری کے زمانے کا نہیں بلکہ امام سفیان ثوری کے وقت کا ہے۔

جناب امام سفیان ثوریؒ کے مختصر احالات آپ معاصرین میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

جناب اظہر جاوید اپنی کتاب "رابعہ بصری" میں لکھتے ہیں کہ

حضرت رابعہ بصریؒ کے والد جتنے مفلس و غریب تھے اتنے ہی باضمیر اور غیور بھی تھے۔ وہ زاہد کامل تھے اور ایسے لوگ کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتے۔ وہ تو حضور نبی کریم ﷺ کا حکم تھا جو وہ امیر بصرہ کے پاس چلے گئے ورنہ انہوں نے ساری زندگی فقر و فاقہ میں گزار دی تھی۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے بھی اس ماحول میں پرورش پائی اور ان کی نسبت ابتدائی عمر یعنی بچپن میں ہی ان کی شخصیت میں مذہب، عفت اور محرومیت کی پیری پیدا ہونے لگی تھی، جو وقت کے ساتھ ساتھ تناور شجر کا روپ لے گئیں، جس طرح ان کے والد نے ایمان و تقویٰ اور ایصال و صبر کا دامن تھامے رکھا، اسی طرح حضرت رابعہؒ بھی بچپن ہی سے قانع اور صابر و شاکر ہو گئی تھی۔ کھانا ملتا تو کھا لیتیں، نہیں تو اپنے باپ کی طرح دونوں حالتوں میں خدا کا شکر ادا کرتیں۔

حضرت رابعہ بصریؒ کے والد محترم ایک پھٹی اور بوسیدہ سی گدڑی اوڑھے رکھتے، ان کی والدہ بھی گھر کے انہی حالات میں خوش تھیں اور خود بھی قناعت پسند اور عفت مآب تھیں۔ حضرت رابعہ بصریؒ کے والد کے خواب میں حضور نبی کریم ﷺ جب تشریف فرما ہوتے تو دیگر کئی بزرگان دین آیا کرتے تھے اور ایسے عالم میں جب وہ دعا فرماتے ہوئے گریہ وزاری کرتے تو ننھی رابعہ بصریؒ والدین کے ساتھ شریک ہو جاتیں اور پھر نہایت خوش الحانی سے بلند آواز میں کلام پاک کی تلاوت فرماتیں۔

رابعہ بصریؒ کو بچپن سے ہی قرآن پاک اور بزرگان دین اور اللہ کے پرہیزگار بندوں کے اقوال ازبر تھے۔ روایت ہے کہ کسی نے بچپن سے لے کر تادم مرگ حضرت رابعہؒ کو کبھی کبیدہ خاطر نہیں دیکھا شکوہ کناں نہیں پایا اور کبھی کسی کو برا کہتے نہیں سنا۔ وہ جہاں ذہین و فطین تھیں، وہیں نہایت شائستہ اور مہذب بھی

تھیں۔ انہیں اوائل عمری سے ہی حلال و حرام کی تمیز تھی اور اس کے فرق کو جانتی تھیں۔

ایک دن سب گھر والے شام کے کھانے کے لئے بیٹھے۔ سب نے اشتیاق سے ہاتھ بڑھایا مگر رابعہ بصریؒ دور پرے ہی بیٹھی رہیں۔ ان کے والد نے پوچھا۔

"رابعہ"! تو کیوں کھانا نہیں کھاتی؟"

آپ نے نہایت تمکین لہجے میں جواب دیا۔

"والد محترم! میں سوچ رہی ہوں، خدا جانے یہ کھانا حلال بھی ہے کہ نہیں.....؟"

یہ جواب سن کے ان کے والد چونکے اور کہا۔

"اے بیٹی! کیا تو نے کبھی دیکھا ہے کہ ہمیں حلال کھانا نہ ملا ہو تو ہم نے بھوک کو مٹانے اور شکم پری کے لئے حرام شے کی طرف ہاتھ بڑھایا ہو۔"؟

حضرت رابعہ بصریؒ نے کہا۔

"اس دنیا میں ہمیں بھوک پر صبر کرنا چاہئے تاکہ آخرت میں آگ پر صبر نہ کرنا پڑے۔"

ایک رات جب کہ حضرت رابعہؒ کی والدہ نے بچا ہوا کھانا سیت کے رکھنا چاہا تو پیالہ بالکل خالی تھا۔ رابعہؒ کے والد اس کے اس جواب اور ایسی ہی دوسری باتوں پر تعجب بھی کرتے اور حیران بھی ہوتے۔ کیونکہ یہ تو وہ سب باتیں تھیں جو انہوں نے عمر رسیدہ زاہدوں اور مفکرین کی مجلسوں میں اور وعظوں میں سنی تھیں۔ انہیں رابعہؒ پر رشک آنے لگتا کہ ابھی سے ہی ان کا میلان طبع زہد کی طرف ہے اور اس کے خیالات میں پختگی ہے۔ گویا اس نے وہ ہدایت جو بے شمار لوگ برسوں کی عبادت وریاضت سے پاتے ہیں۔ خدا کے فضل سے ابھی سے حاصل کر لی ہے۔

جب بھی کوئی آیت یا سورت حضرت رابعہؒ یاد کر لیتیں اور نہایت خضوع و خشوع سے اپنے والد کو سناتیں تو وہ آبدیدہ ہو جاتے اور بے اختیار پکار اٹھتے۔

"یا بارالٰہا! تو نے اس لڑکی کو کس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے؟ یہ بچی تو اور بچوں جیسی نہیں ہے۔"

حضرت رابعہ بصریؒ کے والد اگر رات میں کبھی سو بھی جاتے تو حضرت رابعہ تمام رات عبادت کرتیں اور قرآن پاک کی تلاوت کرتی رہتیں۔

ایک رات نماز فجر کے قریب ان کے والد کی آنکھ کھلی تو انہوں نے رابعہؒ کی تلاوت کی آواز سنی۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ رابعہؒ چادر میں لپٹی قبلہ رو بیٹھی ہیں۔ رابعہؒ نے دونوں ہاتھ اٹھائے، دعا کی اور انہیں اپنے منہ پر پھیر لیا۔ ان کے والد نے سوچا..... فطرت اس بچی کو آنے والے مصائب و آلام کے لئے تیار کر رہی ہے۔

حضرت رابعہ بصریؒ پہلے باپ کے سائے اور بعد میں ماں کی شفقت سے بھی محروم ہو گئیں۔ ایمان و قناعت سے تو وہ پہلے ہی بہرہ ور تھیں، اب یتیمی و بیسری کا پہاڑ پھٹ پڑا۔ وہ اس سب کے لئے گویا پہلے ہی سے آمادہ تھیں۔ اس کے بعد وقت کے ستم در ستم کا سلسلہ چل نکلا بصرے میں قحط پڑا اور سینکڑوں لوگوں کے ساتھ حضرت رابعہؒ بھی اپنی بہنوں کے ساتھ اپنے قصبے کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئیں۔ راستے میں ہی کسی شقی القلب نے انہیں سب سے الگ تھلگ پا کر پکڑا اور ایک امیر شخص کے پاس بطور لونڈی فروخت کر دیا۔

آپؒ ابھی بچی ہی تھیں مگر عبادت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے زاہد و عابد بھی ان کے سامنے عاجز ہوں گے۔ کنیز بنائے جانے کے بعد وہ دن بھر اپنے مالک کی خدمت کرتیں۔ لیکن جونہی وہ شخص سو جاتا، آپ اپنی الگ کوٹھڑی میں آتیں اور رات بھر گریہ وزاری کے ساتھ عبادت الٰہی کرتی رہتیں اور مالک حقیقی اور خالق دو جہاں کی حضوری اور قرب کی کوشش میں مشغول ہو جاتیں۔ بہت دنوں کے بعد ایک رات اس امیر کی آنکھ کھلی تو دیکھا رابعہ بھی نہیں ہیں اور کہیں قریب سے رونے اور سسکیوں کی آواز آ رہی ہے۔ وہ حیران ہو کر آواز کی سمت بڑھا تو دیکھا حضرت رابعہؒ سجدے میں گڑگڑا رہی ہیں۔

"اے خالق کائنات! اے مالک حقیقی! تو خوب جانتا ہے کہ تیری اس ادنیٰ سی کنیز کا یہی دل چاہتا ہے کہ رات دن تیری ہی بندگی کرے، تیری ہی حضوری میں وقت گزارے۔ مگر کیا کروں میرے آقا! تمام دن دنیاوی مالک کی خدمت گزاری سے فرصت ہی نہیں ملتی۔ ہاں رات کو اس کے سو جانے کے بعد اور اپنا دنیاوی فرض پورا کرنے کے بعد تیرے حضور حاضر ہوتی ہوں۔ اس رات میں جتنا بھی مجھ سے ہو سکتا ہے۔ تیرا حق بندگی ادا کرنے کی کوشش کرتی ہوں مگر مجھے احساس ہے کہ یوں بات نہیں بنتی۔ نہ میں تیرا حق ادا کر سکتی ہوں نہ میری روح کی تشنگی دور ہوتی ہے۔ میں جانتی ہوں تو علیم و خبیر ہے۔ تو سب جانتا ہے اور میری تھوڑی عبادت کو بھی قبول کر لے گا......"

بچپن کے دن

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی عمر مبارک ابھی تقریباً پانچ برس کی ہی تھی کہ آپ کے والدین اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔ تاریخ کے اوراق پر نظر دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب والدین اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو گھر میں کوئی ایسا بڑا نہ رہا جو گھر کی ضروریات پوری کرتا اور چاروں بہنوں کی پرورش اپنے زیر سایہ کرتا۔ کسی قریبی عزیز یا ہمدرد ہمسائے کی معاونت سے جیسے تیسے زندگی کے دن گزرنا شروع ہو گئے اور پھر شہر بصرہ میں رہنے والوں کو ایک ایسی خوف ناک صورت حال کا سامنا کرنا پڑ گیا کہ شہر میں قحط پیدا ہو گیا! کھانے پینے کی اشیاء ناپید و نایاب ہو گئیں۔ بھوک کے باعث لوگ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اور آپ کی بہنوں کو بھی اسی قحط کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ بھوک کی شدت سے تنگ آکر چاروں بہنیں اپنے گھروں سے نکلیں تاکہ اس شہر کو چھوڑ کر کسی ایسے مقام کی طرف جائیں جہاں بھوک مٹانے کا کوئی انتظام ہو سکے۔ ابھی راستے میں ہی سفر کرتی ہوئی

جا رہی تھیں کہ ایک ظالم شخص نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو پکڑ لیا اور آپ کو بصرہ کے ایک دولت مند تاجر عتیق کے پاس بیچ دیا۔ اس وقت آپ کی عمر آٹھ برس تھی۔ تاجر عتیق نے آپ کو اپنی کنیز کے طور پر رکھ لیا۔ وہ گھر کے تمام کام معصوم بچی سے کرواتا۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سارا سارا دن گھر کے کاموں میں مصروف رہتیں۔ رات کو تھکن سے چور ہو جاتیں مگر کبھی اف تک نہیں کی۔ بچپن کے دن اسی طرح گزرتے جا رہے تھے۔ اب آپ کی عمر مبارک تقریباً بارہ برس کی ہو چکی تھی۔ وہ تاجر آپ سے بہت مشقت کراتا۔ سارے دن میں ایک لمحے کے لئے بھی چین سے نہ بیٹھنے دیتا تھا۔ ایک دن مالک نے آپ کو کسی کام کے لئے گھر سے باہر بھیجا۔ آپ چلی جا رہی تھیں کہ راستے میں اپنے سامنے کسی نامحرم کو دیکھ کر اس قدر زور سے گریں کہ ہاتھ پر شدید چوٹ آگئی اور ہاتھ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ رو پڑیں اس وقت بارگاہ الٰہی میں التجا کی۔ یا اللہ! میں تو پہلے ہی بے یار و مددگار تھی، اب ہاتھ نے بھی چوٹ کے باعث جواب دے دیا ہے۔ تکلیف کے باعث کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا جاتا مگر یا اللہ! میں پھر بھی اس حالت میں بھی تیری رضا چاہتی ہوں۔ غیب سے ندا آئی اے رابعہ! غم نہ کر، کل تجھے وہ مقام و مرتبہ عطا ہو گا کہ تجھ پر مقرب ملائکہ بھی رشک کریں گے۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے یہ آواز سنی تو خوش ہو گئیں۔ اپنی ساری تکلیف بھول گئیں۔

پھر روز و شب آپ کا یہ معمول بن گیا کہ دن کو روزہ رکھتیں اور اپنے مالک کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دن بھر اس کے حکم پر گھر کا کام کاج کرتیں۔ جب رات ہو جاتی تو اپنی کوٹھڑی میں آکر عبادت الٰہی میں مشغول ہو جاتیں۔ رات اور دن کے یہ کٹھن مراحل چھوٹی سی بچی بڑے شوق سے طے کرتی جا رہی تھی مگر چونکہ انسانی جسم ایک خاص حد تک ہی برداشت کرنے کی

قوت رکھتا ہے اس لئے تھوڑے ہی دنوں بعد اس معصوم چہرے پر تھکن اور کمزوری کے آثار دکھائی دینے لگے۔ایک دن تاجر عتیق نے دیکھتے ہوئے پوچھا کہ کہیں تم بیمار تو نہیں ؟آپ نے جواب دیا نہیں ، میں ٹھیک ہوں۔مالک نے دریافت فرمایا مجھ سے گھر کے کام کاج کرنے میں کوئی کمی رہ گئی ہے۔مالک نے کہا نہیں۔ایسی تو کوئی بات نہیں ہے، کام تم بالکل ٹھیک کرتی ہو مگر اپنی صحت کی طرف بھی دھیان کرو۔آپ نے مالک کی بات سن کر خاموشی اختیار کر لی اور اسی طرح روز و شب اپنے کام میں مشغول رہی۔

ایک دن آدھی رات کے وقت مالک کی اچانک آنکھ کھل گئی۔اس کی نگاہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی کوٹھڑی کی طرف چلی گئی۔اسے کوٹھڑی میں چراغ کی روشنی ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔بڑا حیران ہوا کہ یہ کنیز آدھی رات کو جاگ کر کیا کر رہی ہے۔کوٹھڑی کی طرف بھاگا مگر یہ دیکھ کر اس کے قدم کوٹھڑی کے دروازے کے باہر ہی رک گئے کہ اس کی کنیز و بارگاہ الٰہی میں سربسجود ہو کر مناجات میں مشغول ہے۔ایک روشن قندیل اس کے سر کے اوپر روشن ہے۔حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ الٰہی میں عرض کر رہی تھیں۔

تاجر عتیق نے یہ منظر دیکھا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔اس کے دل کی سختی اس ایک منظر کے دیکھ لینے سے نرمی میں بدل گئی۔اپنے کئے پر پچھتانے لگا کہ میں نے اس چھوٹی سی بچی پر کس قدر ظلم ڈھائے ہیں کہ ہر وقت گھر کے کاموں میں ہی الجھائے رکھا اور بچی کا یہ حال ہے کہ اس چھوٹی سی عمر میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں راتوں کو مشغول رہتی ہے۔اسی وقت اپنے دل میں اس بات کا عہد کیا کہ صبح ہوتے ہی اپنی زیادتیوں کا ازالہ کروں گا۔الٹے پاؤں چپکے سے واپس اپنے کمرے میں چلا آیا تا کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی عبادت میں خلل نہ پڑے۔کمرے میں آیا تو اب نیند اس سے کوسوں دور چلی گئی تھی۔صبح کے انتظار

میں جاگتا رہا اور صبح ہوتے ہی آپ کے پاس پہنچا اور کہا کہ میں آپ کو آزاد کرتا ہوں اور آپ سے معافی مانگتا ہوں کہ لاعلمی میں مجھ سے آپ کے ساتھ بہت زیادتیاں ہوئی ہیں۔میری خواہش ہے کہ آپ اسی میں قیام فرمائیں تا کہ آپ کی برکت کی سعادت مجھے حاصل رہے لیکن اگر آپ یہاں پر قیام کرنا پسند نہ فرمائیں اور کہیں اور جانا چاہیں تو آپ کی مرضی ہے۔حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے فرمایا، میں نے تم کو معاف کیا پھر آپ کوٹھڑی سے باہر تشریف لے آئیں اور وہاں سے رخصت ہو کر گوشہ نشین ہو گئیں۔

ایک دیگر روایت کچھ یوں ہے کہ یہ غالباً 105ھ کا واقعہ ہے کہ تاریخی شہر بصرہ بھی خوفناک قحط کی لپیٹ میں آ گیا۔بقول حضرت شیخ سعدیؒ

یکے قحط سالی شد اندر دمشق
کہ یاراں فراموش کردند عشق

(ایک بار دمشق میں ایسا قحط پڑا کہ یار لوگ عشق و عاشقی جیسی چیز کو بھی فراموش کر بیٹھے)

ایک بصرہ میں بھی کچھ ایسا ہی قحط پڑا تھا کہ لوگ نہ صرف محبت کے لطیف و نازک جذبات بھول گئے تھے بلکہ ان کے سینے نفسانی خواہشوں کے ہجوم سے بھر گئے تھے۔وہ اپنے آپ بچانے کے لئے اپنے ہم جنسوں کو ارزاں داموں پر فروخت کر رہے تھے۔اولادیں ،ماں، باپ پر گراں تھیں اور اولادوں پر ماں باپ ایک بوجھ تھے۔بیویاں شوہروں کے لئے باعث آزار تھیں..... اور بہنیں بھائیوں کے لئے ایک مستقل عذاب بن گئی تھی۔خاندانی اور علاقائی رشتوں کا تو ذکر ہی کیا، خونی رشتے بھی بے اعتبار ٹھہرتے تھے۔عجیب نفسا نفسی کا عالم تھا۔ماں باپ اولادوں سے ہاتھ چھڑا رہے تھے..... بھائیوں نے بہنوں سے منہ پھیر لیا تھا اور دوست ایک دوسرے کو پہچاننے سے گریزاں تھے۔بھوک کا عفریت اپنا خونی دہن کھولے کھڑا تھا..... اور تمام انسانی رشتے ،احساسات و جذبات، عقائد و نظریات اس کی خوراک

بیتے جا رہے تھے۔

اسی ہولناک فضاء میں بصرہ کے ایک چھوٹے سے خاندان پر قیامت گزر گئی۔ یہاں چار بہنیں رہا کرتی تھیں جن کے ماں باپ دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ بظاہر کوئی نگران اور کفیل نہیں تھا۔ یہ سب بہنیں مل کر محنت مزدوری کیا کرتی تھیں۔..... مگر جب بصرہ شہر قحط کی لپیٹ میں آیا تو سارے کاروبار دم توڑ گئے اور مزدوریاں ختم ہو گئیں۔ نو عمر لڑکیوں نے دو تین فاقے تو برداشت کر لئے مگر جب بھوک حد سے گزری تو کسی کو اپنا ہوش نہیں رہا۔ بھیک تک کی نوبت آ گئی مگر کوئی کیسے بھیک دیتا کہ دینے والے کے پاس خود کچھ نہیں تھا۔ یہ تمام بہنیں زرد چہروں اور پتھرائی ہوئی آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھ رہی تھیں کہ بصرہ کا مشہور تاجر عتیق ادھر سے گزرا۔ فاقہ زدہ بہنوں نے آسودہ حال شخص کے سامنے دست سوال دراز کر دیا۔

"خدا کے لئے ہمیں کچھ کھانے کو دو۔ ورنہ کچھ دیر بعد ہماری سانسوں کا رشتہ ہمارے جسموں سے منقطع ہو جائے گا۔"

"بہت بھوک ہے۔" سب سے چھوٹی بہن نے نقاہت زدہ لہجے میں جواب دیا۔

"تو پھر کسی سے روٹی کیوں نہیں مانگی۔؟" تاجر نے سوال کیا۔

"جس سے مانگنا چاہئے اسی سے مانگ رہی ہوں۔" لڑکی نے بڑا عجیب جواب دیا۔

"تو پھر تجھے ابھی تک روٹی کیوں نہیں ملی۔؟" تاجر عتیق نے حیران ہو کر دوسرا سوال کیا۔

"جب وقت آئے گا تو وہ بھی مل جائے گی۔" لڑکی کا انداز گفتگو مبہم تھا مگر لہجے سے بڑی استقامت جھلک رہی تھی۔

تینوں بڑی بہنیں چھوٹی بہن کی بے سروپا باتوں سے بیزار تھیں، اس لئے

جھنجلا کر بولیں۔ "یہ ہم سب کا وقت برباد کر رہی ہے۔ آپ اسے یہاں سے لے جائیں۔"

"یہ لڑکی بڑے کام کی ہے۔ میں اسے لے کر ہی جاؤں گا۔" تاجر عتیق نے تینوں بہنوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا..... اور پھر ایک معقول رقم ان کے حوالے کر دی۔

"چلو! لڑکی!" تاجر نے چھوٹی بہن سے کہا۔ "اب تم میری ملکیت ہو۔"

لڑکی نے اپنی بہنوں کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے مگر ہونٹوں پر کوئی حرف شکایت نہیں تھا۔ وہ تاجر عتیق کے ساتھ چپ چاپ چلی (ا)س نے کئی بار مڑ کر دیکھا۔ لڑکی کی آنکھوں میں بس ایک ہی سوال تھا۔

"کیا تم نے چند روٹیوں کے لئے اپنی چھوٹی بہن کو فروخت کر دیا ہے۔؟"

تینوں بہنوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ انہیں بھوک کے عفریت سے نجات مل گئی تھی اور تاجر کے دیئے ہوئے سکے گننے میں مصروف تھیں۔ پھر انہیں اپنی چھوٹی بہن کی آنکھوں میں لرزنے والی معصوم حسرتیں اور کانپتے ہوئے سوالات کس طرح نظر آتے؟ آخر لڑکی نظروں سے اوجھل ہو گئی اور ضرورت کے بے رحم ہاتھ نے خونی رشتوں کو جدا کر دیا۔

ایک روایت میں یہ بھی درج ہے کہ بھوک سے تنگ آکر چاروں بہنیں گھر سے نکلیں۔ وہ بصرہ چھوڑ کر کسی ایسے شہر میں جانا چاہتی تھیں جہاں ضروریات زندگی میسر آ سکیں۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھیں کہ اچانک کسی گوشے سے ایک قوی ہیکل شخص نمودار ہوا اور اس نے چھوٹی بہن کو پکڑ لیا۔ اجنبی مرد کے خوف سے تینوں بہنیں ایک طرف بھاگ کھڑی ہوئیں اور پھر اس سفاک شخص نے سات آٹھ سالہ معصوم بچی کو بصرہ کے ایک مالدار تاجر عتیق کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ اس طرح ایک معصوم بچی اپنے کارواں سے بچھڑ کر ایک صاحب ثروت انسان کی کنیز بن گئی۔

حالات زندگی

حضرت رابعہؒ نے بچپن سے جوانی تک رنج والم امور آفات و مصائب کے سوا کچھ نہیں دیکھا تھا۔ چار پانچ سال کی ہوں گی کہ نہایت پرہیز گار محبت کرنے والے ماں باپ سے بچھڑ گئی۔ آٹھ نو سال کی عمر کو پہنچیں تو شفیق بہنوں کو اس طرح کھودیا کہ زندگی بھر ان کا کوئی پتا نہیں چلا۔ اہل نظر اندازہ کرسکتے ہیں کہ ایک کم سن بچی کے دل ودماغ نے ان جان لیوا حادثات کا کیا اثر قبول کیا ہوگا؟ پھر جب اپنے کاروانِ محبت سے بچھڑی ہوئی اور بچی ہوش کی ابتدائی منزلوں سے گزر رہی تھی تو اس بے رحم ہاتھ نے اسے غلامی کی زنجیریں پہنا دیں۔ باپ سے ضدیں اور فرمائشیں کرنے کے دن...... بہنوں کے ساتھ کھیلنے اور شرارتیں کرنے کے دن...... اور ان سب سے بڑھ کر ماں کی آغوش محبت میں سونے کی راتیں...... ایک بچے کا یہی تو سرمایہ ہوتا ہے مگر وقت نے حضرت رابعہؒ سے ان کی ہر خوشی اور ہر خواب چھین لیا تھا۔ گرمی کے تپتے ہوئے دنوں میں حضرت رابعہؒ اپنے مالک کے لئے دریا سے پانی بھر کر لاتی تھیں اور آپ کا جسم مبارک پانی سے شرابور ہوتا تھا...... پھر جب سردیوں کی طویل راتیں آتیں تو حضرت رابعہؒ یخ بستہ موسم میں معبود حقیقی کے سامنے دست بستہ کھڑی رہتیں۔ اولیائے کرام نے جو ریاضتیں جوانی کے عالم میں اپنی دور رغبت سے کی ہیں، وہی ریاضتیں حضرت رابعہ بصریؒ نے اپنے عالم طفلی میں جبر وستم کی زنجیروں میں جکڑے ہونے کے باوجود کی ہیں۔ فطری بات ہے کہ محنت ومشقت سے چور ہونے کے بعد ایک کم سن لڑکی آرام دہ بستر تلاش کرے گی...... مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصریؒ نصف شب کے سناٹے میں اپنے خالق کے آگے سجدہ ریز ہوتی تھیں اور بارگاہ ذوالجلال میں عذر پیش کرتی تھیں کہ دنیا والے میرے راستے کی رکاوٹ ہیں اس لئے میں تیرے حضور میں بہت دیر سے پہنچتی ہوں۔ یہی وہ ریاضت ہے جو تصوف کی بنیاد ہوتی

ہے...... اور یہی محبت صوفیا کی پہچان ہوتی ہے۔

تصوف

لفظ صوفی کس سے بنا ہے اور کس سے نہیں؟ اسکے بارے میں لوگوں کے مختلف خیال ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک صوفی کا لفظ اصل میں صفوی تھا جو کثرت استعمال سے صوفی بن گیا۔ ابوالحسن قناد کہتے ہیں کہ صوفی کا لفظ صفا سے بنا ہے جس کا مطلب ان لوگوں سے ہے جنہیں قدرت نے پہلے ہی سے بشری کدورتوں اور غلاظتوں سے پاک صاف رکھا ہے۔ بعض کہتے ہیں نہیں! جو لوگ سادگی کی وجہ سے صوف کا لباس پہنتے تھے وہ صوفی کہلائے بعضوں کا خیال ہے کہ اصحاب صفہ کی مناسبت سے صوفی کا لفظ عہد نبوت ہی سے وجود میں آگیا صفہ کے معنی عربی میں چبوترے کے ہیں وہ لوگ جن کا کوئی در ٹھانہ گھر جو دن میں کہیں کام کاج کو نکلتے ہاتھ پیر ہلاتے اور اپنے لئے حلال روزی کماتے پھر فارغ وقت میں رسول اللہ ﷺ سے علم دین حاصل کرتے اور آرام کے وقت مسجد نبوی کے چبوترے پر چلے آتے یہیں رہتے سہتے اور اسی کو اپنا گھر، مسکن اور آرام گاہ سمجھتے تھے انہیں اصحاب صفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

پہلا صوفی

جیسا کہ تصوف اور صوفی کے مسلک کے ماخذ اور استعمال کے بارے میں اختلاف ہے اسی طرح اس باب میں بھی اختلاف ہے کہ اول اول کسی بزرگ کو صوفی کا لقب دیا گیا۔ کوئی جناب ابوہاشم المتوفی 150 ہجری کو پہلا صوفی قرار دیتا ہے کسی کے خیال میں جابر بن حیان پہلے صوفی ہیں۔ بہر کیف یہ دونوں ہی بزرگ کوفہ کے ہیں اور دونوں دوسری صدی ہجری ہی میں گزرے ہیں۔

جو لوگ تصوف کے مسلک کو عہد رسالت ہی سے قائم ہونے کا خیال رکھتے ہیں ان کے نزدیک صوفی کا لفظ جناب رسالت مآب محمد رسول اللہ ﷺ

کی رحلت شریف کے دو سو برس بعد رائج ہوا اس کا سبب کیا ہے؟ اسے شیخ سعدیؒ شیرازی کے بزرگ استاد علامہ جوزی نے یوں نقل کیا ہے کہ عہد رسالت میں جن لوگوں نے ذات رسالت مآب سے فیض باطنی و ظاہری حاصل کیا۔ ان کے لئے صحابی سے بڑھ کر اس وقت کوئی اور لفظ ممتاز یا معزز نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر لوگ صحابہ سے فیض یاب ہوئے۔ ان کے لئے تابعی اور پھر تابعین سے جنہوں نے اکتساب کیا ان کے لئے تبع تابعین سے بڑھ کر کوئی لفظ موزوں نہ تھا۔ جب تبع تابعین کا زمانہ بھی گزر گیا صرف وہ لوگ باقی رہ گئے جنہوں نے تبع تابعین سے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا۔ ان کے لئے صوفی کا لفظ استعمال کیا گیا کیونکہ تبع تابعی کے بعد اگر کوئی لفظ موزوں ہو سکتا تھا تو وہ صرف صوفی کا لفظ ہے۔

تصوف کے بارے میں یہ بات قطعی طے شدہ ہے کہ دوسری صدی ہجری کے آخر میں اس نے ایک نمایاں اور ممتاز مسلک کی صورت پکڑ لی اس دور کے ممتاز صوفی میں جناب سفیان ثوری، ابراہیم ادھمؒ داؤد طائی، فضیل بن عیاض اور عورتوں کے طبقے میں جنابہ رابعہ بصریہ کے اسمائے گرامی بہت مشہور ہیں۔
علمائے تصوف نے دوسری صدی ہجری کو صوفیائے قدیم کا دور قرار دیا ہے۔
علامہ جوزی نے لکھا ہے کہ قدیم صوفیا۔ قرآن حکیم، حدیث نبوی، فقہ اور تفسیر کے امام تھے وہ لوگوں کو علوم شرعی کی ترغیب دیتے۔ کتاب و سنت کی اتباع کرتے اور اس کی تاکید کرتے تھے۔

استعمال کب ہوا

جیسا کہ صوفی کے اشتقاق سے متعلق اختلاف ہے اسی طرح اس کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ لفظ صوفی کب استعمال ہوا کسی کے نزدیک صوفی کا لفظ اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔ کوئی کہتا ہے کہ صوفی لفظ محمد رسول اللہ

ﷺ کے زمانے ہی میں پیدا ہوا۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کہتے ہیں کہ یہ لفظ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی رحلت شریف کے بعد رائج ہوا شیخ اکبر کہتے ہیں اور اخبار مکہ میں لکھا ہے کہ صوفی کا لفظ خواجہ حسن بصری کے زمانے میں پیدا ہوا۔ اس سلسلے میں وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ صوفی کا لفظ خواجہ حسن بصری اور سفیان ثوری کے اقوال میں کئی مرتبہ آیا ہے۔

جو لوگ اس خیال کے حامی ہیں کہ صوفی کا لفظ اسلام سے پہلے بھی تھا وہ در حقیقت تصوف کے مسلک کا رشتہ یونان سے جا ملاتے ہیں۔ ان کے نزدیک تصوف کا مذہب مسلمانوں نے اس وقت اختیار کیا جب یونانی زبان کا عربی میں ترجمہ آیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ صوفی کا لفظ یونانی کے لفظ سوف بمعنی حکمت کی محبت سے لیا گیا ہے جناب فرید الدین عطار نے تذکرہ اولیاء میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک صوفی کا لفظ بغداد کے لوگوں کی ایجاد ہے۔

علامہ ابوریحان البیرونی کتاب الہند میں لکھتے ہیں کہ صوفی کے معنی فلاسفر کے ہیں یونانی زبان میں سوف کے معنی فلسفہ کے ہیں یہی وجہ ہے کہ یونانی زبان میں فیلسوف کو فیلا سوفا کہتے ہیں یعنی فلسفہ کا مشتاق چونکہ اسلام میں ایک جماعت ایسی موجود تھی جس کا مسلک یونانی صوفیوں کے قریب قریب تھا۔ اس لئے اس کا نام صوفی پڑ گیا۔

علامہ البیرونی کا بیان بہت واضح ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ تصوف کی تحریر کو غیر اسلامی تحریکوں سے مستعار خیال کرتے ہیں۔ وہ اصل میں التباس لفظی سے دھوکا کھا گئے۔ ورنہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام کے تصوف کے محرکات اور صوفیائے اسلام کے طرز و اطوار غیر اسلامی تصوف کے محرکات اور ان کے صوفیوں کے طریقہ کار سے بالکل مختلف ہیں۔

علامہ جوزی نے خواجہ حسن بصری کی بزرگی کو تسلیم کیا ہے اور انہیں قدیم صوفیا کے امام کی حیثیت دی ہے۔

حضرت رابعہ بصریؒ کو کثرت رنج والم اور حزن و ملال نے دنیا اور اس کی دلفریبیوں سے بیگانہ کر دیا تھا۔ پھر اسی جذبہ بیگانگی نے بے نیازی کی شکل اختیار کر لی اور حضرت رابعہ بصریؒ نے دنیا اور اہل دنیا کی نفی کر دی۔ دنیا کی نفی کے بعد ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ انسان اپنے آپ کو دنیا بنانے والے کی یادوں میں گم کر دے۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے بھی ایسا ہی کیا۔ جب سارے رشتے ناپائیدار ثابت ہوئے تو آپ نے خالق کائنات سے رشتہ جوڑ لیا۔ یہ رشتہ تو ازل سے ہوتا ہے اور ابد تک رہتا ہے۔ ایک منکر اپنے خالق کے وجود سے انکار کر سکتا ہے مگر اس کی بندگی کے دائرے سے خارج نہیں ہوتا۔ فرعون نے لاکھ کہا کہ انا ربکم الاعلیٰ (میں تمہارا بڑا رب ہوں) مگر حقیقتاً وہ رب کائنات ہی کا بندہ تھا۔ مسئلہ صرف اقرار کا ہے۔ اقرار کے بعد انسان کی بندگی مستند اور معتبر ہو جاتی ہے۔ انکار کی صورت میں بھی وہ اللہ ہی کا بندہ رہتا ہے مگر اپنی سرکشی اور بے راہ روی کے باعث "راندۂ درگاہ" کہلاتا ہے۔ حضرت رابعہ بصریؒ بھی روز اول سے اپنے خالق کی وحدانیت اور کبریائی کا اقرار کر رہی تھیں۔ ہو سکتا تھا کہ وہ شدید اور طویل آزمائشوں کے وقت اپنا راستہ بھول جاتیں مگر حق تعالیٰ نے ہر قدم پر ان کی رہنمائی کی۔ پھر جب وہ آفات و مصائب کے دریا کو پار کر کے ساحل مراد تک پہنچیں اور انہوں نے بے اختیار خاک پر سر رکھ کر کہا۔

"بس! تو ہی ہے اور تیرے سوا کوئی نہیں۔"

حضرت رابعہ بصریؒ کے مسلک کی بنیاد "عشق الٰہی" پر ہے۔ اس سلسلے میں ایک محقق عبدالرزاق پاشا کہتے ہیں۔

"حضرت رابعہ بصریؒ کی حیات مبارک میں حزن والم کے جو گہرے نقوش پائے جاتے ہیں اگر انہیں غور سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہو گی کہ یہ تمام تر اسی محبت کا نتیجہ ہے جو حضرت رابعہ بصریؒ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے تھی۔"

آگے چل کر عبدالرزاق پاشا تحریر کرتے ہیں۔ "تصوف اسلامی کے ہیکل میں جس ہستی نے سب سے زیادہ "حب الٰہی" کو ایک مستقل اور محکم مسلک کی صورت میں پیش کیا وہ صرف حضرت رابعہ بصریؒ ہیں۔ انہوں نے ایسے آثار و نقوش چھوڑے ہیں جو حزن والم اور محبت الٰہی کی صحیح تعبیر اور تفسیر کا کام دیتے ہیں۔"

ذوق عبادت

نو عمر ہونے کے باوجود وہ لڑکی انتہائی مشقت اور ذمے داری کے ساتھ اپنا کام پورا کرتی اور مالک کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ دیتی۔ یہاں تک کہ اسی عالم میں کئی سال گزر گئے۔ اب اس لڑکی کی عمر بارہ تیرہ سال کے قریب تھی۔ جیسے جیسے عمر بڑھتی جا رہی تھی، لڑکی کے ذوق عبادت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ گھر کا کام کرنے کے بعد وہ رات رات بھر عبادت میں مصروف رہتی۔ پھر صبح ہوتے ہی اپنے آقا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے گھر کے کاموں میں مشغول ہو جاتی۔ آخر شدید محنت نے اس معصوم جان کو تھکا ڈالا۔

لڑکی کے چہرے پر تھکن کے آثار دیکھ کر ایک دن مالک نے پوچھا۔

"کیا تو بیمار ہے۔؟"

لڑکی نے نفی میں آقا کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "کیا میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں کسی کوتاہی کی مرتکب ہو رہی ہوں۔؟"

مالک نے اس کے کام کی تعریف کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ وہ اپنی صحت کا خیال بھی رکھے۔

لڑکی نے آقا کا حکم سنا اور سر جھکا دیا مگر اس کے معمولات میں کوئی کمی نہیں آئی۔ وہ اجالے میں دنیاوی مالک کی خدمت انجام دیتی اور اندھیرے میں مالک حقیقی کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتی۔

ایک دن اتفاق سے نصف شب کے قریب آقا کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اپنے کمرے سے نکل کر ٹہلنے لگا۔ اچانک اس کی نظر کنیز کی کوٹھری پر پڑی۔ وہاں چراغ جل رہا تھا۔

"یہ کنیز ابھی تک جاگ رہی ہے۔؟" آقا نے بڑی حیرت کے ساتھ سوچا اور کنیز کے جاگنے کا سبب جاننے کے لئے کوٹھری کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ مالک دبے قدموں اندر داخل ہوا۔ اب اس کی آنکھوں کے سامنے ایک ناقابل یقین منظر تھا۔ کنیز سجدے کی حالت میں تھی اور دبی دبی سسکیاں ابھر رہی تھیں۔ مالک کی حیرت میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ پھر اس نے کان لگا کر سنا۔ کنیز انتہائی رقت آمیز لہجے میں دعا مانگ رہی تھی۔

"اے اللہ! تو میری مجبوریوں سے خوب واقف ہے۔ گھر کا کام کاج مجھے تیری طرف آنے سے روکتا ہے۔ تو مجھے اپنی عبادت کے لئے پکارتا ہے مگر میں جب تک تیری بارگاہ میں حاضر ہوتی ہوں، نمازوں کا وقت گزر جاتا ہے۔ اس لئے میری معذرت قبول فرما لے اور میرے گناہوں کو معاف کر دے۔"

مالک نے کنیز کی گریہ وزاری سنی تو خوف خدا سے لرزنے لگا۔ روایت ہے کہ اس واقعے سے پہلے تاجر عتیق ایک ظالم شخص تھا۔ اپنے غلاموں اور کنیزوں سے بے پناہ مشقت لیتا تھا اور انہیں پیٹ بھر کر کھانا تک نہیں دیتا تھا۔ آج رات ایک کنیز کو اس طرح سجدہ ریز دیکھا تو پتھر دل پگھل گیا اور اسے اپنے ماضی پر ندامت ہونے لگی۔ الٹے قدموں واپس چلا آیا اور رات کا باقی حصہ جاگ کر گزار دیا۔ پھر صبح ہوتے ہی کنیز کی کوٹھری میں پہنچا اور کہنے لگا۔

"آج سے تم آزاد ہو، جہاں چاہو چلی جاؤ۔"

"مگر میں تمہاری دی ہوئی قیمت ادا نہیں کر سکتی۔" کنیز نے حیران ہو کر کہا۔

"میں تم سے کوئی قیمت نہیں مانگتا مگر ایک چیز کا سوال کرتا ہوں۔" تاجر

عتیق کے لہجے سے عاجزی کا اظہار ہو رہا تھا۔ "میری طرف سے کی جانے والی تمام زیادتیوں کو اس ذات کے صدقے میں معاف کر دو جس کی عبادت تم راتوں کی تنہائی میں چھپ کر کرتی ہو۔"

"میں نے تمہیں معاف کیا۔ میرا مالک تمہیں ہدایت دے۔" یہ کہہ کر کنیز چلی گئی۔

یہ معصوم اور یتیم بچی اور شب بیدار کنیز مشہور عارفہ حضرت رابعہ بصری تھیں۔

حصول علم

روایت ہے کہ جب تاجر نے حضرت رابعہؒ کو آزاد کر دیا تو آپ علوم ظاہری حاصل کرنے کے لئے بصرہ سے کوفہ تشریف لے گئیں جو اپنے وقت میں بہت بڑا علمی مرکز تھا اور جہاں نادر روزگار علماء ہر وقت موجود رہتے تھے۔ روایت ہے کہ حضرت رابعہ بصریؒ فطری طور پر نہایت ذہین خاتون تھیں۔ نتیجتاً آپ نے بہت کم مدت میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت رابعہ بصریؒ نے فقہ اور حدیث کی تعلیم بھی حاصل کی تھی اور پھر دونوں علوم میں اس قدر مہارت حاصل کر لی تھی کہ جب آپ وعظ فرماتی تھیں تو بڑے بڑے محدث اور فقیہہ حیران رہ جاتے تھے۔ کسی معتبر تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حدیث اور فقہ میں آپ کے اساتذہ کون تھے؟ پھر بھی یہ امر طے شدہ ہے کہ حضرت رابعہ بصریؒ کی بارگاہ معرفت میں بڑے بڑے علماء نیاز مندی کے ساتھ حاضر ہوا کرتے تھے۔ ان بزرگوں میں سرفہرست حضرت امام سفیان ثوریؒ ہیں جو حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے معاصر تھے اور جنہیں امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ مشہور بزرگ حضرت مالک بن دینارؒ کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت

رابعہ بصریؒ سے نہایت عقیدت رکھتے تھے۔

اس بات کی وضاحت بھی نہایت ضروری ہے کہ اکثر تذکرہ نگاروں نے حضرت امام حسن بصریؒ اور حضرت رابعہ بصریؒ میں علمی اور روحانی اعتبار سے ایک تعلق قائم کرنے کی کوشش کی ہے جسے تاریخ کی روشنی میں ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر حضرت رابعہ بصریؒ کے تمام سیرت نگاروں نے یہ واقعہ بڑے زور و شور کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

ایک بار حضرت امام حسن بصریؒ کی مجلس درس آراستہ تھی۔ حضرت امامؒ بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے جیسے آپ کو کسی کا انتظار ہو۔ ایک عقیدت مند دوست نے عرض کیا۔

"امام! کیا کسی کا انتظار ہے۔؟"

حضرت امام نے بے ساختہ فرمایا۔ "ہاں! میں رابعہ کا انتظار کر رہا ہوں۔"

اسی دوست نے دوبارہ عرض کیا۔ "امام! آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جب تک آپ کی مجلس میں رابعہ جیسی ضعیف عورت نہیں آتی، اس وقت تک آپ وعظ نہیں کہتے۔"

جواباً حضرت امام حسن بصریؒ نے پرجوش لہجے میں فرمایا۔ "ہاتھیوں کی غذا چیونٹیوں کو کس طرح مل سکتی ہے۔؟"

اس واقعے سے حضرت رابعہؒ کی عظمت روحانی کا تو پتا چلتا ہے مگر جب ہم اس واقعے کی تاریخی حیثیت متعین کرنا چاہتے ہیں تو حیرت کے سوا کسی چیز کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا۔ قارئین کو تعجب ہوگا کہ یہ روایت مشہور صوفی بزرگ حضرت خواجہ فریدالدین عطارؒ سے منسوب ہے۔ حالانکہ خواجہ عطارؒ خوب جانتے تھے کہ حضرت رابعہ بصریؒ 97ھ میں پیدا ہوئی تھیں...... اور حضرت امام حسن بصریؒ 110ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ امامؒ کے وصال کے وقت حضرت رابعہ کی عمر مبارک صرف تیرہ سال تھی...... اور یہ وہ زمانہ تھا جب آپ تاجر عتیق کی کنیز کی

حیثیت سے اپنی زندگی کے دن گزار رہی تھیں۔ اس صورتحال کے پیش نظر حضرت امام حسن بصریؒ اور حضرت رابعہ بصریؒ کے علمی تعلق میں زیادہ سے زیادہ اتنی گنجائش پیدا کی جاسکتی ہے کہ حضرت رابعہؒ ایک آدھ مرتبہ حضرت امامؒ کی مجلس درس میں حاضر ہوئی ہوں اور عقیدت مندوں نے اتنی چھوٹی سی بات کو ایک مستقل افسانہ بنا دیا ہو...... ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت رابعہؒ دور غلامی سے نجات پاکر تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئیں تو حضرت امام حسن بصریؒ اس عالم فانی سے بہت دور جاچکے تھے۔

جی ہاں اس کے علاوہ اکثر تذکرہ نگاروں نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت امام حسین بصریؒ بھی حضرت رابعہ بصریؒ کی مجلس روحانی میں بصد شوق حاضر ہوا کرتے تھے۔ اس روایت کو تسلیم کرنے میں بھی وہی سن و سال کا فرق مانع ہے۔ مختصر یہ کہ تاریخ کے تناظر میں حضرت امام حسن بصریؒ اور حضرت رابعہ بصریؒ کے درمیان کسی ایک ملاقات کو بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

☆☆☆☆☆

سیرت مبارکہ کے مختصر واقعات

دیگر اہل زہد اور صاحبان تصوف کی طرح حضرت رابعہ بصری بھی خدا سے ملنے (وصل) کی متمنی تھیں۔ وہ معرفت حقیقی رکھتے ہوئے ایک والہانہ اور بے ساختہ محبت سے سرشار تھیں۔ وہ ان اولین زاہدوں اور عابدوں میں سے تھیں، جنہوں نے خالص محبت، یعنی اللہ سے محض اس کی ذات کی خاطر بے غرض محبت کی اور اس کی تلقین بھی کی اور اسی تعلیم کو نظریہ کشف کے امتزاج کے ساتھ پیش کیا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے بھی متوفی یا ولی اللہ کے لئے کرامات دکھانے کو شعبدہ بازی قرار دیا ہے، مگر صوفیوں، ولیوں اور اہل اللہ کے اعمال، ان کے افعال اور ان کے روزمرہ کے معمولات میں خود خود ایسے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں، جو چشم بینا کے لئے تحیر کا سبب بنتے ہیں اور معتقدین، حلقہ بگوش اور مجلس میں شریک ہونے والے اپنے اعتقاد اور اپنی محبت کی وجہ سے اس کا ذکر کھلے عام کرتے ہیں اور فخر کے ساتھ ایک دوسرے فرد کو سناتے ہیں۔ حضرت رابعہ بصری بھی کرامات دکھانے یا ایسی نمائش کرنے کے حق میں نہیں تھیں۔ وہ تو زیادہ سے زیادہ

گوشہ نشین اور عزت گزیں رہنا چاہتی تھیں۔ مگر ان کے معتقد انہیں ہر جگہ پر جا گھیرتے تھے۔ کبھی کبھی وہ ایسے مواقع پر جلال میں آ جاتیں اور لوگوں کی ملامت کرتیں۔ وہ کوشش کرتیں کہ ایسے سوالات سے گریز کریں، لیکن ان کے پاس آنے والوں کی بے تابی اور وارفتگی اپنی جگہ پر تھی۔

☆☆☆☆☆

ایک بار کسی نے سوال کیا۔

"اللہ نے اولیاء کو کرامات کا تاج بخشا ہے، تو آپ اس مرتبے تک کیونکہ پہنچیں؟"

حضرت رابعہ نے جواب دیا۔

"اپنے قول و فعل سے اے اللہ! میں تجھ سے پناہ چاہتی ہوں، ہر ایسی چیز کے بارے میں جو مجھے تیرے سوا کسی اور سے مشغول کر دے اور ہر حائل سے جو میرے تیرے درمیان حائل ہو جائے۔"

☆☆☆☆☆

حضرت سفیان ثوری بیمار پرسی کے لئے آئے لیکن حضرت رابعہؒ کے جلال کی ہیبت کے سبب کوئی بات نہ کر سکے۔ حضرت رابعہؒ نے خود ہی بات چلائی۔

"فرمایئے۔"

حضرت سفیان نے کہا۔

"میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اس تکلیف میں سے نکالے۔"

حضرت رابعہؒ نے کہا۔

"تمہیں معلوم نہیں۔ یہ بیماری اسی کے حکم سے ہے۔"

حضرت سفیان نے کہا۔

"آپ بجا فرماتی ہیں۔"

"پھر میں دوست کی مرضی کے خلاف کیسے درخواست کر سکتی ہوں۔"

حضرت رابعہؒ نے دھیمے سے لہجے میں یہ مسکت جواب دیا۔

حضرت سفیان نے پوچھا۔

"آپ کو سب سے زیادہ کس چیز کی خواہش ہے؟"

حضرت رابعہؒ نے جواب دیا۔

"سفیان، تم سمجھدار آدمی ہو کہ ایسی باتیں کیوں کیوں کرتے ہو۔ بارہ برس گزرے کہ مجھے تازہ خرمے کھانے کی خواہش ہے اور تم جانتے ہو کہ خرمے یہاں کتنے سستے اور بے قدری سے بکتے ہیں لیکن میں نے آج تک نہیں کھائے۔ کیونکہ میں غلام ہوں اور غلام کو خواہش سے کیا مطلب، اگر میں کسی چیز کی خواہش کروں اور میرے خدا کو وہ پسند نہ ہو تو یہ کفر ہے۔"

سفیان نے عرض کی۔

"میں آپ کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتا۔ آپ کچھ میرے متعلق فرمائیں۔"

حضرت رابعہؒ نے جواب دیا۔

"اگر تم دنیا کو دوست رکھتے تو نیک مرد ہوتے۔"

حضرت سفیان نے حیرت سے پوچھا "کیونکر"

آپ نے کہا "آپ کی باتوں کے مطابق"

یہ سن کر حضرت سفیان کو رونا آگیا اور خدا سے عرض کی۔

"اے خداوند کریم۔ مجھ سے خوش ہو جا"

حضرت رابعہؒ نے سختی سے کہا۔

"تجھے حیا نہیں آتی کہ جس کی تو رضا چاہتا ہے تو خود ہی اس سے راضی نہیں۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک دفعہ آپ نماز ادا کر رہی تھیں کہ کمزوری، نقاہت اور مسلسل جاگنے کی

وجہ سے آنکھ لگ گئی۔ اس دوران ایک چور آیا اور آپ کی چادر اٹھا کر چل دیا۔ جب وہ دروازے سے باہر نکلنے لگا تو اسے دروازہ نظر نہ آیا۔ اس نے گھبرا کر چادر رکھ دی تو دروازہ اور باہر جانے کا راستہ صاف نظر آنے لگا۔ دوبارہ چادر اٹھائی اور دروازے کی طرف بڑھا تو دروازہ پھر نظر سے اوجھل ہو گیا۔ اس نے اسی طرح چادر وہیں رکھ دی اور حسب سابق دروازہ پھر دکھائی دینے لگا۔ جب تیسری مرتبہ اس نے یہی حرکت کی تو غیب سے آواز آئی۔

"اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالو۔ اس گھر کی مالکہ نے اپنے آپ کو ہماری نگہبانی اور دوستی میں دے رکھا ہے۔ یہاں تو کسی کو مجال نہیں کہ کوئی کچھ بھی کر سکے۔ ایک دوست سویا ہوا ہے، تو کیا ہوا، دوسرا دوست تو بیدار ہے۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک مرتبہ ایک زاہد حضرت رابعہؒ سے ملنے اور کھانے کی طلب میں آیا۔ حضرت رابعہؒ نے ہانڈی میں گوشت ڈال کر اسے چولہے پر رکھا ہوا تھا۔ مگر ابھی آگ نہیں جلائی، زاہد آیا تو معرفت و زہد کی گفتگو شروع ہو گئی نہ زاہد کو بھوک کا خیال آیا نہ رابعہؒ کے ذہن میں ہانڈی کا دھیان رہا۔ عشاء کی نماز کے لئے گفتگو رکی تو حضرت رابعہؒ کو ہانڈی کا خیال آیا۔ دیکھا تو اس میں نہایت عمدہ گوشت پکا ہوا تیار موجود تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک مصری عالم عبدالرزاق پاشا نے لکھا ہے۔

"حضرت رابعہؒ میں حزن والم کے جو گہرے نقوش پائے جاتے ہیں، اگر عمیق نگاہی سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ بھی تمام تر حب کا نتیجہ ہیں۔ جو حضرت رابعہؒ کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ تصوف اسلامی میں جس ہستی نے سب سے پہلے حب الٰہی کو مستقل اور محکم مسلک کی صورت میں پیش کیا وہ حضرت رابعہ عدویہ بصریہ ہیں۔ سیدہ رابعہؒ کا شمار اسلام کے عاشقین اور حزنین

میں ہے۔ انہوں نے صوفیانہ ادب کا آغاز کیا اور نظم و نثر کے ایسے موتی بکھیرے، جن کی آب و تاب اب تک قائم ہے اور تاابد قائم رہے گی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت امام غزالیؒ احیاء علوم الدین میں فرماتے ہیں۔

"رابعہ عدویہ نے اپنے اشعار میں غرض اور آرزو کی جس حبّ کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد ہے۔ اللہ کا احسان اور انعام جو وہ اپنے بندوں پر روا رکھتا ہے اور جس حب ذات یعنی خالص حب الٰہی کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد ہے دیدار الٰہی اور جمال خداوندی کی حب جس کا نظارہ ان کے دل کی آنکھوں نے کیا اور یہی محبت سب سے بہتر اور برتر ہے۔ جمال ربوبیت کی لذت جائے خود سب سے بڑی چیز ہے اس کے بارے میں ایک حدیث شریف ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے نیک اور صالح بندوں کو وہ چیز دیتا ہوں جسے نہ (عام) آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور نہ (عام) کان سن سکتے ہیں اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزر سکتا ہے۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

الطبقات الکبریٰ میں درج ہے۔

حضرت رابعہؒ ہر وقت مغموم اور ملول رہا کرتی تھیں۔ ان کی آنکھیں ہمہ اشکبار رہتی تھیں۔ جب وہ عذاب دوزخ کا ذکر سنتی تھیں تو دیر تک اس کی دہشت سے بے ہوش رہتی تھیں۔ ہوش میں آنے پر برابر توبہ کرنے لگتیں۔ ان کی سجدہ گاہ ہمیشہ آنسوؤں سے تر رہتی تھیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لوگ جب بار بار سوال کرتے اور ولایت کا بھید جاننے پر اصرار کرتے اور کہتے کہ اے رابعہ! تو اولیاء اللہ سے ہے، کچھ بیان کر...... پھر کبھی کبھی اسے زچ تک کر دیتے، تو وہ گلو خلاصی اور ان سے رہائی پانے کے لئے کہتیں۔

"ایک ایسی عورت کے بارے میں جو مذاکرات کے قابل نہیں، جو کچھ تم

کہتے ہو، ممکن ہے صحیح ہو، مگر آج تک تو کسی عورت نے نبوت یا الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

آپ نے دیکھا ایک شخص سر پر پٹی باندھے چلا جا رہا تھا۔ آپ نے اس سے پٹی باندھنے کی وجہ پوچھی اور پوچھا تمہاری عمر کیا ہے۔ اس نے بتایا میری عمر 30 سال کے قریب ہے اور پٹی اس وجہ سے باندھی ہے کہ سر میں درد ہو رہا ہے۔

آپ نے پوچھا۔

اتنا عرصہ تم بیمار رہے یا تندرست؟

اس نے کہا۔ تندرست؟

آپ نے فرمایا۔

"اتنا عرصہ تک تندرستی کے تشکر کی پٹی تو ایک دن بھی نہ باندھ سکے اور ایک دن بیمار ہوئے ہو تو فوراً شکایت کی پٹی باندھ لی۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت رابعہؒ بہت کم گفتگو کرتی تھیں۔ خود تو وہ کسی سے کلام ہی نہیں کرتی تھیں۔ معتقدین یا معاصرین آ جاتے، بہت زور لگا کر سوالات کرتے تو مختصر مگر مدلل جواب دیتیں اور ان کی ہر بات قرآن کی آیات کے حوالے سے ہوتی یا اکثر جواب میں قرآنی آیت ہی پڑھ دیتیں۔ لوگوں نے ایسا کرنے پر سوال کیا تو فرمایا۔

"انسان جو کچھ بولتا ہے، فرشتے اسے لکھتے ہیں۔ میں اسی لئے قرآن کی آیتوں کے سوا کچھ نہیں بولتی کہ کہیں میرے منہ سے بری بات نہ نکل جائے، جسے فرشتے لکھ لیں۔ میں تو آیتیں ہی پڑھتی ہوں اور فرشتے لکھتے رہتے ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت امام غزالیؒ نے حضرت رابعہؒ کے ایک اور فقرے کی نسبت عمدہ تشریح کی ہے۔ حضرت رابعہؒ سے سوال کیا گیا کہ جنت کے بارے میں آپ کا کیا

خیال ہے؟

حضرت رابعہؒ نے جواب دیا۔

"پہلے ہمسایہ پھر مکان۔

حضرت امام غزالیؒ صراحت فرماتے ہیں۔

"حضرت رابعہ بصریؒ کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے دنیا میں خدا کو نہیں پہچانا وہ اگلے جہاں میں بھی اس کے دیدار سے محروم رہے گا اور جو کوئی یہاں معرفت انبساط سے ناآشنا رہتا ہے وہ وہاں بھی رویت کا سرور حاصل نہ کر سکے گا۔ جو اس دنیا میں اس کی دوستی کا جویا نہیں ہوا وہ آخرت میں بھی خدا سے التجا نہ کر سکے گا۔ جس نے بویا نہیں، وہ کاٹ بھی نہیں سکتا۔ حضرت رابعہ سے سوال کیا گیا کہ انہوں نے ولایت کا مرتبہ کیسے حاصل کیا۔

انہوں نے جواب دیا۔

"ان چیزوں کو ترک کر دینے سے جس کا مجھ سے کچھ یقین نہیں اور اس کی محبت سے خوابدہ ہی ہے۔"

وہ فرمایا کرتی تھیں۔ "اللہ سے محبت اور عشق اللہ کے عاشق کو غیر اللہ، سے بیگانہ کر دیتا ہے۔ ہر حبیب اپنے محبوب کے قرب کا متمنی ہوتا ہے وہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتی تھیں۔

"میں نے تجھے اپنے دل کا ہم نشیں بنایا ہے لیکن جو میرے ساتھ مل بیٹھنا چاہے۔ میں نے اس کے لئے اپنا جسم مباح کیا ہوا ہے اور میرا جسم میرے ساتھ مل بیٹھنے والے کیلئے مونس ہے۔ لیکن میرے دل کا حبیب میرے دل میں میرا انیس ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

یہ وہ زمانہ تھا جب سارے عرب میں جھوٹے دعویداروں کی بھرمار تھی............

معاملہ اصل میں یہ ہے کہ حضرت رابعہؒ نے اپنی ریاضت، علم سیکھنے کے کمال اور زہد و عبادت سے ایسا مقام پالیا تھا کہ ان کے عہد کے بڑے بڑے زاہد ان کے پاس بیٹھنا اور ان کی گفتگو سننا اپنے لئے ایک شرف سمجھتے تھے۔ وہ بزرگ بھی، جو عمر اور بادی النظر میں علم و تصوف میں ان سے آگے تھے، وہ ان کی مجلس میں مودب ہو کر رہتے اور انہی کی باتوں پر دھیان رکھتے اور واقعتہً جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے۔ آج ہی نہیں، آج سے تیرہ چودہ صدیاں پہلے اور اس سے بھی پہلے یہ معاشرہ، مرد کا معاشرہ قرار پاتا تھا۔ گھر سے لے کر تخت تک اور مکتب سے لے کر منبر و محراب تک ہر درجے پر مرد ہی اپنا حق فائق سمجھتا ہے۔ ایسے میں اگر ایک زاہدہ و صالح عورت اپنے اقوال و افکار سے اور اپنی عبادت کی انتہا سے ہلچل مچا دے تو سب کے لئے حیرت کا مقام ہوگا...... یہی سبب تھا کہ لوگ حضرت رابعہ کی ناراضی اور ملامت کی پرواہ کئے بغیر ان کی جانب کشاں کشاں جاتے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے۔ آپ نے دیکھا ایک شخص رو رو کر کہہ رہا تھا، ہائے غم۔ ہائے افسوس۔ حضرت رابعہؒ نے سن کر فرمایا۔

ایسا نہ کہو۔ یوں کہو ہائے بے غمی، ہائے بے افسوسی، اس لئے کہ اگر تم اندوہگیں اور متاسف ہوتے تو ایسا کہنے کی جرأت ہی نہ کرتے۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت فریدالدین عطارؒ نے حضرت رابعہ کی ان گنت کرامات کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں، دیکھنے والوں نے دیکھا کہ غزالان صحرا دوڑ دوڑ کر رابعہ کی طرف آتے تھے، جبکہ وہ ہر انسان سے بدک کر بھاگ اٹھتے تھے، اس بارے میں جب حضرت رابعہؒ سے سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا۔

"ہرنیاں اس شخص سے بدکتی ہیں جو ان کا گوشت کھاتا ہے۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک دن خواجہ حسن بصریؒ آپ کے ہاں آئے اور پوچھا مجھے وہ باتیں بتاؤ جو تم نے علم و تعلیم سے حاصل کیں اور نہ کسی سے سنیں بلکہ مخلوق سے بلاواسطہ تمہیں پہنچی یوں آپ نے فرمایا۔

"میں نے رسیاں بٹی تھیں۔ تاکہ انہیں بیچ کر اپنی ضروریات خرید لوں۔ چنانچہ دو درہم میں فروخت کیں۔ ایک درہم ایک ہاتھ میں لیا اور دوسرا دوسرے ہاتھ میں کیونکہ مجھے ڈر تھا۔ مبادا ایک ہی ہاتھ میں دونوں درہم لینے سے گمراہ ہو جاؤں۔ بس یہی آج کا حاصل ہے۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

روایت ہے کہ ایک بار حضرت رابعہ نے حج کا ارادہ کیا۔ وہ ایک قافلے کے ساتھ اپنے خچر پر سوار ہو کر بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ اتفاق کی بات راستے میں ان کا خچر مر گیا۔ قافلے والوں نے بڑے عجز و انکسار سے کہا کہ آپ فکر نہ کریں، ہم آپ کی سواری کا انتظام کر دیں گے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ان دونوں محبتوں میں رابعہ نے سکون قلب پایا اور انہیں غم والم پسند آنے لگے۔ ایک روحانی سکر سا رہتا تھا حتیٰ کہ تفکر و تامل کے باعث جسم و اعضاء کی تھکن یا تکلیف کا احساس تک نہ ہوتا تھا بلکہ وہ تو اس کیفیت اور جان پر جھیلنے والے عذاب سے لذت محسوس کرتی تھیں ان کی محویت اور سکر کا یہ عالم ہوتا تھا کہ ایک بار سجدے میں گریں تو چٹائی کا تنکا ان کی آنکھ میں گھس گیا، مگر نہ انہیں درد کا احساس ہوا نہ انہوں نے پرواہ کی اور حسب معمول اپنی عبادت کو جاری رکھا۔ اسی طرح ایک بار حالت جذب میں نماز پڑھتے ہوئے اٹھیں تو ان کا سر ایک ستون سے ٹکرا کر پھٹ گیا۔ دیکھنے والے متعجب ہوئے تو انہوں نے ان پوچھنے والوں کو بڑے صبر و تحمل سے جواب دیا۔

"میں یہ دیکھ رہی تھی کہ جو کچھ ہوا اس کی مشیت سے ہوا۔ اس لئے جو کچھ تم

دیکھ رہے ہو، اس کا تو مجھے احساس بھی نہیں۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک بار لوگوں نے کہا کہ خواجہ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اگر ایک دم کے لئے بھی دیدار الٰہی سے محروم ہوا تو اتنا روؤں گا کہ اہل بہشت کو میرے حال پر رحم آجائے۔

حضرت رابعہؒ نے فرمایا۔

"درست ہے، لیکن اگر دنیا میں بھی خدا تعالیٰ کے ذکر سے غافل رہنے پر اس قدر گریہ زاری ہوتی کہ اہل دنیا کو ان کے حال پر ترس آجاتا۔ تو یہاں بھی ایسا ہی ہوتا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"اللہ کے ہوتے ہوئے، میرے لئے متفکر ہونے کی کیا بات ہے۔ آپ لوگ جائیں۔ اپنا سفر کھوٹا نہ کریں۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ جائیں۔"

یہ بات حضرت رابعہ نے ایسے حکم کے انداز میں کی تھی کہ اہل قافلہ مجبور ہو کر اپنے سفر پر روانہ ہوگئے۔ تنہائی پا کر حضرت رابعہ خدا کے حضور سجدہ ریز ہوئیں اور گڑگڑا کر عرض کرنے لگیں۔

"اے مالک! تو نے اس ادنیٰ کنیز کو اپنے گھر کی زیارت کے لئے بلایا۔ راستے میں میرا خچر مر گیا۔ اب میں بے بس یہاں صحرا میں پڑی ہوں۔ کیا میں تیرے ہوتے ہوئے اور کسی کی خوشامد کروں؟ تو تو ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہے اور قبول کرتا ہے۔

تیرے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو پکارنا انتہائی نادانی اور حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ اے اللہ! کیا تو میرے حال پریشاں سے باخبر نہیں......؟"

ابھی رابعہ بصری نے دعا ختم ہی کی تھی اور سجدے سے سر اٹھایا ہی تھا کہ قدرت کاملہ سے رب العزت نے اسی خچر کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ رابعہ نے پھر سجدہ

شکر ادا کیا اور خچر پر سوار ہو کر سفرِ حج کے قافلے کے پیچھے ہو لیں اور جلد انہیں جالیا۔ قافلے والے یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے اور حضرت رابعہ کے قربِ الٰہی اور خداوند کریم کی قدرتِ کاملہ کے اور بھی معتقد ہو گئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لوگوں نے سوال کیا۔ "آپ نکاح کیوں نہیں کرتیں۔؟"

فرمایا "مجھے تین باتوں کا اندیشہ ہے۔ اگر ان سے نجات دلا دو تو مجھے نکاح میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔

"اول یہ کہ مرتے وقت ایمان سلامت لے جاؤں گی یا نہیں؟"

لوگوں نے کہا "معلوم نہیں"

آپ نے فرمایا "دوسرا یہ کہ میرا اعمال نامہ دائیں ہاتھ دیا جائے گا۔ یا بائیں ہاتھ میں؟"

لوگوں نے جواب دیا۔ "ہمیں اس کا بھی علم نہیں"

آپ نے فرمایا۔ "تیسرا یہ کہ قیامت کے دن ایک گروہ کو بہشت میں دائیں طرف سے لے جائیں گے۔

اور دوسرے گروہ کو بائیں طرف سے دوزخ میں۔ تو میں کس جانب ہوں گی؟

لوگوں نے عرض کی۔ "ہمیں علم نہیں۔"

حضرت رابعہؒ نے فرمایا۔

"تو جسے اس قدر غم ہوں، وہ عورت شوہر کی خواہش کیسے کر سکتی ہے۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک دفعہ آپ نے کسی شخص کو چار درہم دے کر فرمایا کہ اس کا بازار سے کمبل خرید لاؤ۔

اس شخص نے دریافت کیا۔

"مخدومہ! کمبل سیاہ لاؤں یا سفید؟"

آپ نے اس شخص سے وہ چاروں درہم واپس لئے اور انہیں دریا میں پھینکتے ہوئے فرمایا۔

"جس چیز کے خریدنے میں یہ ردوکد ہو، اس کے استعمال میں تو ضرور بلائیں پیش آئیں گی۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

معتقدین نے سوال کیا۔

"آپ کہاں سے آئی ہیں؟"

فرمایا۔ "اس جہاں سے۔"

پوچھا۔ "کہاں جائیں گی۔"

فرمایا۔ "اسی جہاں میں۔"

پھر پوچھا گیا۔ "جہاں میں آپ کرتی ہیں۔"

نہایت اطمینان سے کہا۔ "افسوس۔"

پوچھا گیا۔ "کیوں کر"

کہنے لگیں "اس جہاں کی روٹی کھا کر اس جہاں کا کام کرتی ہوں"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت رابعہؒ کا دل خوفِ الٰہی سے معمور رہتا تھا اور عذابِ جہنم کے خوف سے اکثر اشکبار رہتی تھیں۔ اسلامی تاریخ دانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حبِ الٰہی کے مسلک کی بنیاد آپ ہی نے رکھی تھی۔ اپنے خوفِ جہنم اور طمعِ جنت سے بے نیاز ہو کر خدا کو صرف اس لئے یاد کیا جائے کہ مالک کل ہے۔ اس کی ذات سے بے انتہا اور والہانہ محبت کی جائے۔ یہ محبت کسی بھی دوسرے جذبے کی تابع نہ ہو۔ صرف اللہ ہی کے لئے ہو۔ اللہ ہی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہو۔ اس کا مقصد صرف اللہ ہی کی خوشنودی حاصل کرنا ہو اور صرف اسی ذاتِ باری کے جلوے کا دیدار

مقصود ہو۔ ذات باری جب عقیدت اور محبت کا سرچشمہ بن جائے تو پھر کوئی دوسری شے راستے میں حائل نہیں ہو سکتی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

بصرے کے ایک بزرگ حضرت رابعہ بصری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے بیٹھ کر بڑے مبالغہ آمیز انداز میں دنیا کی مذمت شروع کی۔ تھوڑی دیر تو حضرت رابعہ سنتی رہیں۔ پھر اسے ٹوک کر فرمایا۔

"معلوم ہوتا ہے، تمہیں دنیا سے بہت محبت ہے کیونکہ اگر تمہیں دنیا سے محبت نہ ہوتی تو تم اس ملعون کا نام بھی زبان پر نہ لاتے۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لوگوں نے کہا۔

"آپ کی زبان میں عجیب مٹھاس ہے، آپ تو مسافر خانے کی محافظت کے لائق ہیں۔"

حضرت رابعہؒ نے کہا۔

"یہی کچھ تو کر رہی ہوں، جو کچھ میرے اندر ہے، اسے باہر کرتی ہوں اور جو باہر ہے اسے اندر نہیں آنے دیتی چاہے کوئی آئے یا جائے، مجھے کچھ غرض نہیں، میں دل کو محفوظ رکھتی ہوں نہ کہ مٹی (جسم) کو۔" آپ نے ایک اور مرتبہ فرمایا۔

"صرف زبان سے توبہ کرنا جھوٹوں کا شیوہ ہے، اگر خود خود توبہ کریں تو پھر دوسری توبہ کی حاجت نہیں رہتی معرفت کے معنی ہیں، خدا کی طرف دھیان رکھنا۔ عارف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے دل طلب کرے۔ جب اللہ اسے دل دے دے تو وہ اسی کے قبضے میں رہے تاکہ وہ محفوظ رہے۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت رابعہ بصری عابد شب زندہ دار تھیں۔ تمام رات میں کئی سو رکعت نماز ادا کرتی تھیں۔ پھر فجر کی نماز کے بعد ذرا سا توقف فرماتیں اور جائے نماز پر

کچھ دیر کے لئے یونہی بیٹھی رہتیں۔ اس عالم میں اگر آنکھ لگنے لگتی یا اونگھ آجاتی تو یک بیک اچھل پڑتیں اور اپنے نفس کو بہت برا کہتیں کہ تو کب تک خواب غفلت میں رہے گا۔ اے نفس! کیا تجھے معلوم نہیں کہ موت سر پر کھڑی ہے، نہ معلوم کب وقت آجائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

آپ ہمیشہ روتی رہتی تھیں۔ سوال کیا گیا۔ "آپ اتنا روتی کیوں ہیں؟"

حضرت رابعہؒ نے فرمایا۔

"میں نے صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ محبت کی۔ ڈرتی ہوں کہ مرتے وقت کہیں یہ آواز نہ آجائے کہ تو ہمارے لائق نہیں۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

آپ ہمیشہ کھردرے کمل کا کرتہ پہنے رکھتیں اور وصیت فرمائی تھی کہ مرنے کے بعد انہیں اسی میں دفنایا جائے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی ایک معتقد خاتون نے انہیں خواب میں دیکھا کہ آپ بہت ہی قیمتی ریشم کا کرتہ پہنے ہوئے ہیں۔ خاتون نے سوال کیا کہ آپ کا کمبل کا کرتہ کہاں گیا؟"

تو جواب میں کہا۔

"رحمٰن نے اس کرتے کے بدلے میں یہ کرتہ عطا فرمایا ہے۔"

اس عورت نے ایک اور سوال کیا۔

"کوئی ایسی بات بتادیں جس سے قرب الٰہی حاصل ہو"؟

آپ نے ارشاد فرمایا۔

"قرب الٰہی کے لئے یاد الٰہی سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربی ہے

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ.

"ذکر الٰہی سب سے بڑی چیز ہے۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وہ یہ اشعار بھی اکثر پڑھا کرتی تھیں۔

"اے میرے آقا مقرب بندے خلوتوں میں تیرا قرب ڈھونڈتے ہیں۔ تیری عظمت کے گیت سمندر میں مچھلی گاتی ہیں اور تیرے مقدس جلال کی وجہ سے موجیں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں۔ دن کی روشنی۔ رات کی تاریکی، گھومنے والے آسمان، بحر زخار منور چاند، چمکیلے تارے، سب تیرے سامنے سجدہ کرتے ہیں اور ہر چیز ایک انداز کے مطابق ہے کیونکہ تو غنی اور قہار ہے۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وہ اپنی دعائیں اپنے ہی اشعار میں مانگا کرتی تھیں۔ اس دعا کو تو وہ اکثر راتوں کو چھت پر جا کر پڑھا کرتیں تھیں۔

"اے میرے مالک، ستارے چمک رہے ہیں اور سب لوگوں کی آنکھیں نیند سے بند ہیں اور ہر کوئی اپنی اپنی خلوت میں ہے اور میں ہوں کہ یہاں اکیلی ہوں تیرے ساتھ!"

پھر دوبارہ یوں دعا کرتیں۔

"اے مالک اگر میں دوزخ کے عذاب کے خوف سے تیری عبادت کرتی ہوں تو تو مجھے دوزخ میں جھونک دے اور اگر میں جنت کی توقع میں تیری عبادت کرتی ہوں تو تو مجھے جنت سے محروم کر دے لیکن اگر میں محض تیری ہی خاطر عبادت کرتی ہوں تو مجھ سے اپنے لازوال حسن کو پوشیدہ نہ رکھنا۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت رابعہؒ کا عقیدہ تھا کہ تشکر و امتنان کا جذبہ عطا کرنے والے کو دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ اس چیز سے جو اس نے عطا کی۔

طریقہ تصوف کی ابتدا توبہ کے بارے میں آپ نے فرمایا۔

"کوئی آدمی کس طرح توبہ کر سکتا ہے۔ جب تک اس کا مالک اس کو اس کی توفیق عطا نہ کرے اور اسے قبولیت نہ بخشے۔ اگر وہ تمہاری طرف رخ کرے گا تو تم

بھی اس کی جانب رخ کردں گے۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک جگہ اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

"اے نفس! تو اللہ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے حالانکہ تو اس کی نافرمانی بھی کرتا ہے اس سے بڑھ کر بھی کوئی عجیب بات ہو سکتی ہے۔ اگر تیری محبت سچی ہو تو اپنے اللہ کی فرماں برداری کر۔ کیونکہ محبت کرنے والا۔ جس سے محبت کرتا ہے، اس کی فرمانبرداری اور اطاعت ضرور کرتا ہے۔"

اے رب سے مخاطب ہو کر کہتی ہیں۔

"میں تجھ سے محبت کرتی ہوں۔ دو طرح کی محبت۔ ایک محبت ہے۔ آرزو اور تمنا کی اور دوسری ہے صرف تیری ذات کی۔ میری وہ محبت جو آرزو اور تمنا سے معمور ہے، وہ تو کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ لیکن وہ محبت جو صرف تیری ذات سے ہے، تجھے اسی کا واسطہ تو حجاب کو دور کر دے تاکہ تیرا جلوہ دیکھ سکیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ان کی وفات کے بعد کسی عابد نے انہیں خواب میں دیکھا تو پوچھا۔

جب منکر نکیر نے آپ سے یہ سوال کیا تھا کہ تیرا رب کون ہے؟ تو آپ نے کیا جواب دیا تھا۔

"میں نے انہیں کہا تھا۔ واپس چلے جاؤ اور اپنے مالک سے کہو کہ اپنی ہزار در ہزار مخلوق کے ہوتے ہوئے تو نے ایک ناتواں بڑھیا کو نہیں فراموش کیا اور میں جو سب جہاں میں تجھے ہی اپنا سمجھتی تھی۔ تجھے کس روز بھولی ہوں کہ تو مجھ سے سوال کرتا ہے کہ تیرا رب کون ہے۔؟

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

آپ بہت بیمار تھیں۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ عیادت کے لئے آئے۔ دیکھا تو حضرت رابعہؒ کے دروازے پر ایک رئیس درموں کی تھیلی پکڑے کھڑا ہے

اور آنسو جاری ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ نے پوچھا کیا ماجرا ہے؟

اس نے کہا میں اس محترم و مقدس خاتون (رابعہؒ) کے لئے ایک چیز لایا ہوں اور اس خیال سے رو رہا ہوں کہ شاید وہ لینے سے انکار کر دیں۔ اگر آپ میری سفارش کر دیں تو شاید وہ قبول فرمالیں۔

حضرت حسن بصریؒ اندر داخل ہوئے اور اس رئیس کا پیغام دیا۔

حضرت رابعہؒ نے بہت تحمل سے سن کر کہا۔

"کوئی اللہ تعالیٰ کو برا کہتا ہے تو وہ اس کی روزی بند نہیں کر دیتا اور جس کی زندگی اس کی محبت کے دم سے ہوا سے تو وہ بغیر رزق کے ہی زندہ رکھ سکتا ہے۔ جب سے میں نے اسے دیکھ لیا ہے، تمام مخلوق سے منہ پھیر لیا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ، جس شخص کو میں جانتی ہی نہیں، اس کا مال میں کیسے لے لوں۔ یہ بھی کیا خبر کہ وہ مال حلال ہے یا حرام۔؟"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا قرآن پاک کی حافظہ تھیں۔ احادیث مبارکہ اور دینی مسائل کے بارے میں مکمل علم رکھتی تھیں۔ بصرہ چونکہ علم کے میدان میں خاص شہرت رکھتا تھا اور یہاں پر بے شمار جید علماء کرام اور اولیاء کرام اپنی علمی مجالس منعقد کر کے طالبانِ حق کی علمی تشنگی کو سیراب کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ اس لئے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے بارے میں بھی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اکثر و بیشتر ان علمی مجالس میں شریک ہو کر مستفیض ہوا کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ آپ نے گوشہ نشینی اختیار کر کے بھی سلوک و معرفت کی منازل طے کیں۔ جب بصرہ میں آپ کا قیام ہوا تو آپ کے زہد و تقویٰ اور علم و عرفان کی شہرت ہر چار سو عالم میں پھیل گئی اور لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد آپ کے فیضان سے مستفیض ہونا شروع ہو گئی۔ اللہ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کا پیغام حق آپ نے بندگان

خدا تک پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اپنی ساری زندگی نیکی اور بھلائی کے کاموں کا درس دیتے ہوئے بسر کر دی۔ آپ کی سیرت مبارکہ راہ حق کے متلاشیوں کے لئے ایک بہترین عملی نمونہ تھیں۔

ایک دن حضرت عبداللہ بن عیسیٰ، حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ آپ کے چہرے پر ایک نورانی کیفیت طاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خوف کے باعث آنکھوں میں آنسو تھے اور ایک بوسیدہ سے بوریے پر تشریف فرما ہیں۔ ایک شخص نے آپ کے سامنے قرآن مجید کی ان آیات مبارکہ کی تلاوت کی جس پر قبر کے عذاب کا تذکرہ تھا، وہ شخص تلاوت کرتا جا رہا تھا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو گرتے جا رہے تھے پھر یکایک ایک چیخ بلند ہوئی اور آپ بے ہوش ہو گئیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک مرتبہ بصرہ کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔ اے رابعہ! اللہ تعالیٰ نے مردوں کو تین ایسی فضیلتیں دی ہیں جن سے عورتیں محروم ہیں۔ اول یہ کہ مرد کامل العقل ہوتے ہیں جب کہ عورتوں کو ناقص العقل قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ عورتیں ناقص الدین ہوتی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ماہ ان کو چند دن نماز سے محروم رہنا پڑتا ہے۔ سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مرتبہ نبوت پر ہمیشہ مردوں کو ہی فائز کیا ہے اور آج تک کوئی عورت نبوت کے منصب پر فائز نہیں ہوئی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جو لوگ یہ باتیں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے کر رہے تھے۔ ان کا مقصد آپ کو طنز و مذاق کرنا تھا مگر آپ نے بڑے صبر و تحمل کے ساتھ ان لوگوں کی باتوں کو سنا اور فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو بھی تین ایسی فضیلتیں

عطا فرمائی ہیں کہ جن سے مرد محروم ہیں۔ اول یہ کہ آج تک کسی عورت نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ یہ خاصہ بھی صرف مردوں ہی کے حصے میں آیا کہ انہوں نے خدائی کا دعویٰ کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ دوم یہ کہ عورتوں کے ہاں مخنث نہیں ہے۔ یہ خاصہ بھی صرف مردوں ہی کے لئے ہے۔ سوم یہ کہ یہ بات درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی عورت کو مرتبہ نبوت پر فائز نہیں کیا لیکن مردوں میں جتنے انبیاء، صدیق، اولیاء کرام اور شہداء ہوئے ہیں۔ وہ عورتوں ہی کے بطن سے پیدا ہوئے، انہی کی گود میں تربیت پا کر پرورش پائی۔ کیا عورتوں کا یہ مرتبہ کچھ کم ہے؟ وہ لوگ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا جواب سن کر خاموش ہو گئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت مسمع بن عاصم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی خدمت میں چالیس دینار پیش کئے اور کہا کہ اس سے آپ اپنی ضروریات پوری کر لیجئے۔ اس شخص کی یہ بات سن کر آپ رو پڑیں اور اپنا چہرہ آسمان کی طرف کر کے فرمایا۔ وہ خوب جانتا ہے کہ دنیا مانگتے ہوئے میں اس سے بھی شرماتی ہوں حالانکہ تمام چیزیں اس کے قبضہ قدرت میں ہیں پھر میں ایسے شخص سے کیوں لوں جس کی کوئی حیثیت نہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ نے کئی دنوں سے کھانا نہیں کھایا تھا اور جب خادمہ نے کھانا تیار کرنا چاہا کہ آپ کو کچھ پکا کر دیا جائے تو دیکھا کہ گھر میں پیاز موجود نہیں۔ خادمہ حاضر خدمت ہوئی اور کہا کہ آپ اجازت فرمائیں تو ہمسائے کے گھر سے پیاز مانگ کر لے آؤں۔ آپ نے فرمایا۔ ”میں نے تو برسوں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کر رکھا ہے کہ تیرے سوا کبھی کسی سے نہ مانگوں گی اس لئے اگر پیاز نہیں ہے تو کوئی بات نہیں۔ تم بغیر پیاز کے ہی سالن تیار کر لو۔“

ابھی آپ یہ کہہ ہی رہی تھیں کہ یکایک ایک پرندہ فضا میں نمودار ہوا جس کی چونچ میں پیاز تھا۔ وہ چولہے کے پاس آیا اور پیاز ہانڈی میں ڈال کر اڑ گیا۔ آپ نے یہ دیکھا تو اس کو شیطانی فریب خیال کیا اور سالن کے بغیر ہی روٹی کھالی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ریاضت و عبادت و معرفت کے اعتبار سے ممتاز حیثیت کی حامل تھیں۔ اپنے دور کی نامور قلندر تھیں۔ علم، عبادت اور ریاضت میں آپ کا نام اولیاء کرام اور دیگر بزرگان دین کے حلقے میں نہایت عقیدت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہمہ وقت مشغول رہتیں۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ دنیا کی کسی چیز کا طمع و لالچ آپ کے دل میں موجود نہیں تھا۔ صرف رضائے الٰہی کی طالب تھیں۔ ایک مرتبہ بارگاہ الٰہی میں مناجات کرتے ہوئے کہا۔

”اے اللہ! اگر میں تیری عبادت جہنم کے خوف سے کرتی ہوں تو تو مجھے جہنم میں پھینک دے اور اگر میں تیری عبادت جنت کی خاطر کرتی ہوں تو تو مجھے جنت سے محروم کر دے لیکن اگر میں صرف تیری ہی خاطر تیری عبادت کرتی ہوں تو مجھے اپنے دیدار سے محروم نہ کرنا۔“

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

آپ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ آپ نے کبھی فضول گفتگو نہ فرمائی۔ ہمہ وقت فرائض و نوافل نماز کی ادائیگی میں مشغول رہتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ بہت کم گفتگو کیا کرتی تھیں۔ اگر کبھی کسی سے کوئی بات ضروری کرنے کی ہوتی تو قرآن پاک کی آیات مبارکہ کا سہارا لے کر اپنا مدعا بیان کر دیا کرتیں چونکہ قرآن پاک کی حافظہ تھیں اس لئے اپنی بات کا اس طرح سے بیان کرنا آپ کو دشوار نہ ہوتا تھا۔ آپ کی اس عادت مبارکہ کو دیکھتے ہوئے ایک مرتبہ کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ کیوں اس طرح اپنا مدعا بیان فرماتی ہیں؟ حضرت رابعہ

بصری رحمتہ اللہ علیہا نے ارشاد فرمایا۔ انسان جو کچھ اپنی زبان سے نکالتا ہے فرشتے اسے لکھ لیتے ہیں اور میں اس بات کی کوشش کرتی ہوں کہ میرے منہ سے قرآن پاک کی آیات مبارکہ کے سوا کچھ نہ نکلے اور یہ صرف اس لئے کرتی ہوں کہ کہیں میرے منہ سے کوئی غلط بات نکل جائے اور فرشتے اسے احاطہ تحریر میں نہ لے آئیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین کامل رکھنے میں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو بڑا بلند درجہ حاصل تھا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ ظہر کی نماز کے بعد کھانا کھانے کا خیال کر رہی تھیں کہ اثناء میں دو درویش آپ سے ملاقات کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے۔ چونکہ کھانے کا وقت تھا اس لئے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے خادمہ سے پوچھا کہ گھر میں کتنی روٹیاں ہیں۔ خادمہ نے کہا کہ دو روٹیاں ہیں۔ ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ دروازے پر ایک سائل نے صدا لگائی کہ اسے روٹی دی جائے۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے وہ دونوں روٹیاں اٹھا کر اس کو دے دیں اور خود پردے کی آڑ سے مہمانوں کے ساتھ گفتگو فرماتی رہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک کنیز خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی یہ روٹیاں میری مالکہ نے بھجوائی ہیں۔ آپ نے اپنی خادمہ سے کہا کہ روٹیاں شمار کرو کہ کتنی ہیں؟ خادمہ نے روٹیاں شمار کرنے کے بعد عرض کی کہ اٹھارہ ہیں۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے روٹیاں لانے والی سے کہا یہ روٹیاں واپس لے جاؤ، یہ میرے لئے نہیں ہیں کسی اور کی ہوں گی۔ تمہاری مالکہ کو غلطی لگی ہے۔ ہماری تو بیس روٹیاں تھیں۔ کنیز نے اصرار کرتے ہوئے کہا کہ میری مالکہ نے یہ روٹیاں آپ ہی کے لئے بھیجی ہیں لیکن آپ نے اس کے اصرار کے باوجود روٹیاں واپس کر دیں۔ کنیز جب واپس گئی تو اس نے اپنی مالکہ سے سارا واقعہ بیان کیا تو مالکہ نے کہا میں تو واقعی بیس

روٹیاں بھیجنا چاہتی تھی۔ غلطی سے اٹھارہ چلی گئیں اب تم ان میں مزید دو روٹیاں شامل کرو اور لے جاؤ۔

چنانچہ کنیز دوبارہ بیس روٹیاں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے وہ بیس روٹیاں لیں اور مہمانوں کو کھانے کے لئے پیش کر دیں۔ مہمان اس تمام واقعہ کو بڑی حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ جب کھانا کھا چکے تو پوچھا کہ آخر یہ معاملہ کیا تھا؟ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے فرمایا۔ اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے، تم جب میرے پاس آئے تو مجھے احساس تھا کہ تمہیں بھوک لگی ہوئی ہے لیکن میرے پاس صرف دو روٹیاں تھیں اور ان دو روٹیوں سے تمہارا پیٹ نہیں بھر سکتا تھا۔ ایک سائل آیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے تجارت کی اور اس کو اللہ کے نام پر دو روٹیاں دے دیں اور میرا اللہ فرماتا ہے کہ ہم ایک کے بدلے میں دس دیتے ہیں۔ مجھے کامل یقین تھا کہ ضرور اس کے بدلے میں بیس روٹیاں دے گا۔ چنانچہ جب ایک کنیز روٹیاں لے کر آئی تو میں نے شمار کروائیں، وہ اٹھارہ تھیں۔ حالانکہ روٹیاں بیس سے کم نہیں ہو سکتی تھیں اسی لئے میں نے وہ واپس کر دیں پھر جب وہ دوبارہ لے کر آئی تو بیس روٹیاں پوری تھیں۔ وہ میں نے تمہارے سامنے پیش کر دیں۔ مہمانوں نے جب یہ بات سنی تو وہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا اللہ تعالیٰ پر کامل یقین دیکھ کر مزید حیران ہو گئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

خواتین کی معرفت کے حصول کے سلسلے میں ایک بزرگ فرماتے ہیں میں بیت المقدس سے ایک ضرورت کے لئے کسی گاؤں کی طرف گیا راستہ میں ایک بڑھیا کو دیکھا کہ ایک اونی جبہ اور ایک اونی چادر اوڑھے ہوئے ہے۔ میں نے سلام کیا اس نے جواب دے کر پوچھا اے جوان کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا ایک ضرورت سے فلاں گاؤں میں جاؤں گا۔ پھر اس نے سوال کیا تیرا مکان یہاں سے

کتنی دور ہے میں نے کہا اٹھارہ میل ہے کہا اٹھارہ میل ایک ضرورت کی تلاش میں آئے ہو یہ بڑی حاجت ہو گی۔ میں نے کہا ہاں۔ پھر اس نے کہا گاؤں کے مالک سے کیوں نہیں کہہ دیا کہ تمہاری حاجت تمہارے پاس پہنچا دے اور تمہیں نہ تھکائے۔ میں نے اس کا مطلب نہ سمجھا اور کہا اے بڑھیا گاؤں کے مالک سے میرا تعارف نہیں ہے۔ اس نے کہا کس نے تیرے اور اس کے درمیان دوری پیدا کر دی ہے اور آپس کے قرب کو قطع کر دیا ہے اب اس کا مطلب میری سمجھ میں آیا اور میں رونے لگا، اس نے کہا تو اللہ سے محبت رکھتا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ کہا سچ کہو؟ میں نے کہا قسم ہے اللہ کی میں بیشک اسے دوست رکھتا ہوں۔ کہا جب اس نے تمہیں محبت کے درجہ پہنچایا تو کس حکمت کا فیض فرمایا۔ اس کا جواب مجھے نہ آیا پھر کہا شاید تو ان لوگوں میں سے ہے جو محبت کو چھپاتے ہیں؟ میں اس کا بھی جواب نہ دے سکا، کہنے لگی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور معرفت اور پوشیدہ محبت کو نالائقوں کے میل سے بچاتا ہے، میں نے کہا تم پر خدا رحم کرے تم خدا سے دعا کرو کہ وہ میرے دل کو بھی محبت میں مشغول کرے، اس نے میرے منہ پر ہاتھ جھاڑ دیا۔ میں نے پھر اسی بات کو دہرایا۔ کہنے لگی اپنے کام کو جا۔ پھر کہنے لگی اگر سلب ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو بڑے بڑے عجائبات ظاہر کر دیتی اور ایک آہ کھینچ کر کہا افسوس یہ شوق بدون تیرے اچھا نہ ہوگا اور یہ غم بدون تیرے تسکین نہیں پائے گا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے اپنی ساری زندگی دین اسلام کی خدمت کرنے میں گزار دی۔ حق کا پیغام عام کرنے کے لئے بہت نمایاں خدمات انجام دیں۔ ایک مرتبہ آپ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتی ہیں؟ فرمایا، بے شک میں اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتی ہوں۔ پھر پوچھا گیا کہ کیا آپ شیطان کو دشمن سمجھتی ہیں؟ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی دوستی سے شیطان کی دشمنی کو میں متعلق نہیں کرتی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت نے

مجھے اس قدر مستغرق اور وارفتہ بنا رکھا ہے کہ شیطان کی دشمنی کی نہ تو مجھے کوئی پرواہ ہے اور نہ مجھے اتنی فرصت ہے کہ میں اس بارے میں سوچوں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا کہ جو لوگ آپ سے اخلاص و عقیدت رکھتے ہیں، آپ کم از کم ان سے تو مدد مانگ لیا کریں۔ فرمایا میں تو اس سے بھی دنیا کی چیزیں مانگتے ہوئے شرماتی ہوں جو ہر شے کا مالک و خالق ہے پھر ان سے کیسے مانگوں جو کسی چیز کے مالک (حقیقی) ہی نہیں ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا شعر و شاعری سے بھی دلچسپی رکھتی تھیں۔ آپ کی شاعری پاکیزہ تصورات و خیالات کی حامل ہوتی تھیں جو عشق الٰہی کے جذبوں سے معمور ہو کر کی جاتی تھی۔ امام غزالی نے اپنی کتاب "احیاء العلوم الدین" میں آپ کے کچھ اشعار نقل کئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

ترجمہ:۔ "(اے اللہ!) میں تجھ سے دو طرح کی محبت کرتی ہوں۔ ایک تو وہ محبت ہے جو غرض اور خواہش کی ہے اور دوسری محبت وہ ہے کہ تو اس کے لائق ہے غرض اور خواہش کی محبت میں میری آنکھیں ماسوا سے بند ہوتی ہیں لیکن اس محبت میں جو تیری شان کے شایان ہے یعنی صرف تیری ذات کی محبت ہے تو کشف حجاب کرتا ہے تاکہ میں تیرے جمال کا مشاہدہ کر سکوں۔ ان دونوں صورتوں میں، میں کسی بھی طرح تعریف کی حقدار نہیں ہوں بلکہ دونوں صورتوں میں سب تعریفوں کے لائق تو ہی ہے۔"

"اے نفس! تو اپنے پروردگار سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر اس کی نافرمانی بھی کرتا رہتا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی عجیب بات ہو سکتی ہے؟"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کس وقت بندے سے خوش ہوتا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ بندہ جب محنت پر اس طرح اس کا شکر ادا کرتا ہے کہ

جیسا وہ نعمت پر کرتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک شخص آپ کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوا کہ اس نے اپنے سر پر پٹی باندھی ہوئی تھی۔ آپ نے اس سے اس کا سبب دریافت فرمایا تو اس نے کہا کہ میرے سر میں درد ہے۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے پوچھا، تمہاری عمر کتنی ہے؟ جواب دیا کہ میری عمر تیس برس ہے۔ ارشاد فرمایا اس تیس برس کے عرصے میں تم پہلے بھی کبھی بیمار ہوئے ہو؟ اس نے کہا کبھی نہیں بیمار ہوا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا، افسوس کہ تم تیس سال تک کبھی بیمار نہیں ہوئے اور اس دوران تم نے ایک دفعہ بھی اس کی عطاء کی ہوئی تندرستی کا شکر ادا کرنے کے لئے اپنے سر پر پٹی نہیں باندھی لیکن صرف ایک دن کی بیماری میں تم نے اپنے پروردگار کے سامنے شکایت کی پٹی باندھ لی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص کو چند درہم دیئے تاکہ وہ آپ کے لئے ایک کمبل خرید لائے۔ اس شخص نے آپ سے پوچھا کہ سیاہ کمبل لاؤں یا سفید؟ یہ سنتے ہی آپ نے فرمایا کہ درہم واپس مجھے دے دو۔ اس نے درہم واپس کر دیئے۔ آپ نے خادمہ سے فرمایا کہ ان کو لے جا کر دریا میں پھینک دو۔ ابھی کمبل خریدا بھی نہیں کہ پہلے ہی سیاہ و سفید کا جھگڑا شروع ہو گیا اور خرید کر لینے کے بعد نہ جانے کیا مسئلہ پیدا ہو جاتا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اپنے وقت کی صاحب فضل و کمال خاتون تھیں۔ اس دور کے بہت سے مشائخ عظام اور اولیاء کرام نے بھی آپ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کیا کرتے تھے۔ حضرت عبدالواحد عامری بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا بیمار

ہو گئیں۔ میں حضرت سفیان رحمتہ اللہ علیہ کے ہمراہ آپ کی عیادت کی غرض سے حاضر ہوا۔ آپ کی خدمت میں بیٹھ کر کچھ ایسا رعب ہم پر طاری ہوا کہ کچھ بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی حتیٰ کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے خود ہی سکوت توڑتے ہوئے فرمایا کہ کوئی بات کیجئے۔ اس پر ہم دونوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ مرض سے رفع فرمائے۔ ہماری بات سن کر آپ نے فرمایا مرض تو اللہ تعالیٰ ہی کا عطا کردہ ہے اور جو چیز اس نے عطا کی ہو، میں اس کا گلہ کیسے کر سکتی ہوں اس لئے کہ یہ کسی بھی دوست کے لئے مناسب نہیں ہے کہ دوست کی رضا کی مخالفت کرے۔ پھر حضرت سفیان رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا کہ آپ کو کسی چیز کے کھانے کی خواہش ہے؟ ارشاد فرمایا تم صاحب معرفت ہو کر ایسی بات کرتے ہو۔ بصرہ میں کھجوروں کی فراوانی ہونے کے باوجود بارہ برس سے کچھ کھانے کی خواہش ہے مگر میں نے صرف اس لئے نہیں کھائی کہ انسان کو اپنی منشاء کے مطابق کوئی کام نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر کوئی کام کرنا کفر کے مترادف ہے۔ اس کے بعد حضرت سفیان رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ میرے حق میں دعا فرمائیں۔ ارشاد فرمایا اگر تمہارے اندر دنیا کی محبت نہ ہوتی تو مجسم خیر ہوتے۔ حضرت سفیان رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ آپ نے کیا فرمایا ہے؟ ارشاد فرمایا جو سچ تھا میں نے کہہ دیا اس لئے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو تم کم عقلی کی باتیں نہ کرتے کیونکہ جب تم یہ بات جانتے ہو کہ دنیا فانی ہے اور اس فانی دنیا کی ہر چیز فانی ہے تو پھر اس کے باوجود تم نے یہ پوچھا کہ تمہارا دل کس چیز کی خواہش کرتا ہے۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی بات سن کر حضرت سفیان رحمتہ اللہ علیہ بڑے متاثر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا۔ یا اللہ! میں تیری رضا کا طلبگار ہوں۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے فرمایا، تمہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کی جستجو کرتے ہوئے ندامت نہیں ہوتی جب کہ تم خود اس کی رضا کے طلبگار نہیں ہو۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے خود کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس قدر مشغول کر رکھا تھا کہ کبھی دنیا کا خیال بھی دل میں نہ لاتیں۔ آپ نے ساری زندگی شادی نہیں کی۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے کہنے لگے کہ آپ اس قدر عابدہ و زاہدہ ہیں کہ ہمہ وقت عبادت الٰہی میں مشغول رہتی ہیں اور دین حق کا پیغام عام کرتی رہتی ہیں لیکن آپ حضور نبی کریم ﷺ کی نکاح کرنے کی سنت پر عمل کیوں نہیں کرتیں؟ آپ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے تین باتوں کا اندیشہ ہے، اگر تم مجھے ان خطرات سے خلاصی کی نوید سنا دو تو میں آج ہی نکاح کر لوں گی۔ پہلا خوف مجھے اس بات کا ہے کہ مرتے وقت اپنا ایمان سلامت لے کر جاؤں گی یا نہیں؟ دوسری فکر میں مبتلا ہوں کہ میرا نامہ اعمال میرے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا یا بائیں ہاتھ میں۔ تیسری فکر مجھے یہ کہ قیامت کے روز دائیں طرف والے گروہ کو جنت میں داخل کیا جائے گا جب کہ بائیں طرف والے گروہ کو جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ تم لوگ مجھے بتاؤ کہ میرا شمار کس گروہ میں ہے۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی یہ باتیں سن کر وہ لوگ لاجواب ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ سب کچھ تو ہم نہیں جانتے۔ ان باتوں کے بارے میں تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کا خاتمہ بالخیر ہو گا اور کس کا نہیں۔ اس پر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے فرمایا اگر یہ بات ہے کہ تو پھر تم خود ہی بتاؤ کہ جو عورت اس قدر فکر و غم میں مبتلا ہو، وہ کیسے خاوند کی خواہش کر سکتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک روایت حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میں رات کو وادی کنعان سے چلا اچانک ایک شخص آیت پڑھتا ہوا میرے سامنے آیا یعنی جو ان کے گمان میں نہ تھا وہ اللہ کی طرف سے ظاہر ہو گیا۔ جب وہ قریب آیا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک عورت تھی اونی جبہ پہنے اور اونی برقعہ اوڑھے آ رہی تھی اس کے ہاتھ میں

ایک لوٹا اور ایک لاٹھی تھی اس نے بلا جھجک مجھ سے پوچھا تو کون ہے؟ میں نے کہا میں مسافر ہوں، کہنے لگی اے شخص! اللہ کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی کوئی مسافر ہوتا ہے حالانکہ وہ پردیسی کا انیس اور کمزور کا مددگار ہے۔ میں یہ سن کر رونے لگا۔ اس نے کہا کیوں روتے ہو؟ میں نے کہا زخم پر مرہم لگا ہے۔ پھر کہا اگر تو سچا ہے تو بتا تو کیوں رویا خدا تجھ پر رحم کرے، میں نے کہا کیا سچا کبھی نہیں روتا؟ کہا نہیں۔ میں نے کہا کیوں؟ کہا اس لئے کہ رونا دل کی تسلی کے لئے ہوتا ہے جس سے غم خارج ہوتا ہے۔ غمگین اس سے پناہ لیتے ہیں آہ و زاری سے زیادہ چھپانے کی کوئی چیز نہیں ہے اور رونا اولیاء اللہ کے پاس علامت ضعف ہے۔

حضرت ذوالنون فرماتے ہیں میں اس کی باتیں سن کر حیران رہ گیا، اس نے کہا تجھے کیا ہو گیا؟ میں نے کہا تمہاری باتوں سے حیران رہ گیا، کہنے لگی خدا تجھ پر رحم کرے اپنی بیماری بھول گیا؟ میں نے کہا خدا تم پر رحم کرے اگر مناسب سمجھو تو کچھ نصیحت کرو جس سے خدا مجھے فائدہ دے، کہنے لگی کہ حکیم جو کچھ بھی تجھے بتائے گا تو مزید کی طلب سے مستغنی نہیں ہو سکتا میں نے کہا میں اولیاء کرام سے مزید کی طلب میں مستغنی نہیں ہوں، کہا تو نے سچ کہا اے مسکین! اپنے مولا سے محبت کر اور اس کا شوق دل میں پیدا کر کیونکہ وہ ایک دن اپنے پورے جمال کے ساتھ تجلی فرمائے گا اپنے اولیاء و اصفیاء اور عاشقوں کی بزرگی کے اظہار کے لئے اور شراب جمال اور جام وصال سے ان کو سیراب فرمائے گا اس کے بعد وہ کبھی پیاسے نہ ہوں گے۔ پھر اس پر وجد غالب ہو گیا اور کہنے لگی اے میرے دل کے پیارے کب تک مجھے اس دنیا میں بے یار و غمگسار چھوڑے گا پھر وہ مجھے چھوڑ کر جنگل میں نکل گئی اور یہ کہتی جاتی تھی اپنے ہی پاس بلا تو آپ کی طرف نہ کھینچا حتیٰ کہ اس کی آواز مجھ سے منقطع ہو گئی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے ہاں گیا تو یہ دیکھا کہ آپ عبادت الٰہی میں مشغول ہیں۔ ان کو عبادت میں مشغول دیکھ کر میں بھی ایک گوشہ میں نماز پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔ جب فجر کا وقت ہوا تو حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے فرمایا عبادت کی توفیق دینے پر ہم کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کر سکتے اور میں شکرانہ کے طور پر کل کا روزہ رکھوں گی۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اکثر یہ مناجات کیا کرتی تھیں کہ یا اللہ! تو نے دنیا میں میرے لئے جو حصہ مقرر کیا ہے وہ اپنے دشمنوں کو دے دے اور جو حصہ آخرت میں میرے لئے مقرر کیا ہے وہ اپنے دوستوں میں تقسیم فرما دے اس لئے کہ میرے لئے تو تیرا دیدار ہی بہت کافی ہے۔ یا اللہ! اگر میں تیری عبادت دوزخ کے خوف سے کرتی ہوں تو مجھے دوزخ میں ڈال دے اور اگر میں تیری جنت کی خواہش رکھتے ہوئے تیری عبادت کر رہی ہوں تو جنت مجھ پر حرام فرما دے اور اگر میں صرف تیرے دیدار کی خواہش پر تیری عبادت کرتی ہوں تو پھر مجھے اپنے دیدار سے محروم نہ کرنا اور اے اللہ! اگر تو نے مجھے دوزخ میں ڈال دیا تو پھر میں یہ گلہ ضرور کروں گی کہ دوستوں کے ساتھ تو دوستوں جیسا ہی سلوک کرنا چاہئے۔

غیب سے ندا آئی، اے رابعہ! ہم سے بد ظن نہ ہو، ہم تجھے اپنے ایسے دوستوں کی جماعت میں جگہ دیں گے کہ تو جہاں سے ہم سے ہم کلام ہو سکے گی۔ اس کے بعد حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا، اے باری تعالیٰ! میرا کام تو صرف یہ ہے کہ میں آخرت میں تیرے دیدار کی تمنا لے کر جاؤں تو مالک و مختار ہے جو چاہے کرے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ہمہ وقت عشق الٰہی میں مستغرق رہا

کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئی ہیں؟ ارشاد فرمایا اس جہان سے آئی ہوں۔ اس نے پھر پوچھا کہ کہاں جائیں گی؟ فرمایا، اسی جہان میں واپس جاؤں گی۔ پھر پوچھنے والے نے دوبارہ پوچھا کہ آپ اس جہان میں کیا کرتی ہیں؟ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے فرمایا، میں افسوس کے سوا کچھ بھی نہیں کرتی۔ پوچھا گیا کہ آپ افسوس کس بات پر کرتی ہیں؟ ارشاد فرمایا اس بات پر افسوس کرتی ہوں کہ میں اس جہان کی روٹی کھا کر اس جہان کا کام کرتی ہوں۔

اس کے بعد مجلس میں بیٹھے ہوئے ایک اور شخص نے آپ سے کہا کہ آپ کا کلام بہت شیریں بیاں ہے آپ تو مسافر خانے کی محافظت کی اہل ہیں۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے فرمایا یہی کام تو میں کر رہی ہوں۔ میرے اندر جو کچھ بھی ہے اسے باہر کرتی ہوں اور جو باہر ہے اسے اندر نہیں آنے دیتی۔ کون آتا ہے اور کون جاتا ہے، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ میں تو دل کی محافظت کر رہی ہوں کہ مٹی (یعنی بدن) کی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

• ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے سات دن تک مسلسل روزے رکھے اور صرف پانی سے افطار کیا۔ راتوں کو عبادت الٰہی کرتیں اور شب بیداری کیا کرتیں۔ جب آٹھواں دن ہوا تو شدید بھوک کے باعث نقاہت طاری ہو گئی۔ افطاری کا وقت قریب تھا لیکن گھر میں کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ بھوک کی شدت سے نفس نے آپ سے فریاد کی، آخر مجھے کب تک بھوکا رکھو گی اور کب تک اذیت سے گزارو گی۔ ابھی نفس کی فریاد کی گونج ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ عین افطار کے وقت ایک شخص پیالے میں کھانے کی کوئی چیز لے کر حاضر ہوا اور کہا کہ میں آپ کے لئے حاضر خدمت ہوا ہوں۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے اس شخص سے کھانے کا پیالہ لیا

اور اپنے نفس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تیری فریاد سن لی ہے اس لئے کوشش کروں گی کہ تجھے مزید بھوک برداشت نہ کرنی پڑے۔ اتنا کہہ کر آپ نے پیالہ فرش پر رکھ دیا اور خود شمع جلانے کی غرض سے اٹھیں۔ عین اس وقت کہیں سے ایک بلی کود ی جس نے کھانے سے بھرا ہوا پیالہ الٹا کر رکھ دیا۔ اسی اثناء میں افطاری کا وقت ہو گیا۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے پانی سے روزہ افطار کرنے کے لئے ابھی اپنا ہاتھ آگے بڑھایا ہی تھا کہ ایک دم تیز ہوا کا جھونکا آیا جس سے شمع بجھ گئی اور آپ کا ہاتھ پانی والے گلاس کو لگا اور ابھی اٹھایا ہی تھا کہ مٹی کا گلاس ہاتھ سے چھوٹ کر ٹوٹ گیا اور سارا پانی زمین پر بہہ گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر دل سے ایک آہ نکلی۔ بے اختیار آپ کے منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ یا اللہ! یہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے؟ غیب سے ندا آئی، اگر تم دنیاوی نعمتیں چاہتی ہو تو ہم تجھے وہ عطا کر دیتے ہیں مگر اس کے بدلے میں اپنا درد اور غم تمہارے قلب سے نکال لوں گا اس لئے کہ میرا غم اور دنیا کی نعمتوں کا غم ایک ہی قلب میں جمع نہیں ہو سکتے اور نہ ہی کبھی دو الگ الگ مرادیں ایک دل میں جمع ہو سکتی ہیں۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے یہ غیبی آواز سنی تو پھر اپنے قلب کو تمام دنیاوی آلائشوں سے پاک کر لیا۔ تمام امیدوں سے اپنے دل کو خالی کر لیا۔ ساری امیدیں ترک کر دیں اور اس طرح اپنے قلب کو دنیاوی خیالات سے خالی کر لیا کہ جس طرح مرنے والا نزع کے وقت زندگی کی امید ترک کر کے اپنے دل کو تمام دنیاوی وساوس سے خالی کر دیتا ہے۔ پھر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور ہر نماز کو اپنی آخری نماز سمجھ کر پڑھا۔ ہر روز صبح کے وقت یہ دعا مانگتیں کہ یا اللہ! مجھے اس طرح اپنی طرف متوجہ فرما لے کہ دنیا والے مجھے سوائے تیرے اور کسی کام میں مشغول نہ دیکھیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک بزرگ روایت فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ طواف کر رہا تھا میری نگاہ ایک عورت پر پڑی جس کے کندھے پر ایک چھوٹا بچہ تھا اور وہ چلا چلا کر کہہ رہی تھی یا کریم یاکریم عہدك القديم میں نے اس عورت سے دریافت کیا کہ تیرے اور اللہ کے درمیان کیا عہد ہے؟ کہنے لگی ایک بار میں کشتی میں سوار ہوئی تاجروں کی ایک جماعت بھی ہمارے ساتھ تھی اتفاقاً بہت زور کا طوفان آیا اور کشتی غرق ہو گئی اور کشتی کے سب لوگ بھی غرق ہو گئے صرف میں اور یہ بچہ ایک تختہ پر اور ایک حبشی مرد جو دوسرے تختہ پر تھا سلامت رہے۔ جب صبح ہوئی تو اس حبشی نے میری طرف دیکھا اور پانی کو ہٹاتے ہٹاتے میرے قریب آیا اور ہمارے تختہ پر سوار ہو گیا اور مجھے راضی کرنے لگا۔ میں نے کہا اے بندہ خدا کیا تجھے کچھ بھی خوف خدا نہیں ہے۔ ہم اس بلا میں گرفتار ہیں جس سے اللہ کی اطاعت کے بغیر خلاصی ممکن نہیں چہ جائیکہ ہم اس کی نافرمانی کریں۔ اس نے کہا یہ باتیں چھوڑ دے میں ضرور یہ کام کروں گا۔ یہ بچہ میری گود میں سویا ہوا تھا۔ میں نے اس کے چٹکی بھری وہ جاگ کر رونے لگا میں نے کہا اے بندہ خدا ذرا صبر کر میں اس بچہ کو سلا لوں پھر جو مقدر میں ہوگا ہو جائے گا۔ اس حبشی نے ہاتھ لمبا کر کے بچہ کو دریا میں ڈال دیا۔ میں نے آسمان کی جانب نگاہ کر کے کہا اے اللہ تو آدمی اور اس کے قلبی ارادوں کے درمیان حائل ہونے والا ہے۔ اپنی طاقت اور قدرت سے میرے اور اس کے درمیان جدائی کر دے تو سب چیزوں پر قادر ہے۔ قسم ہے اللہ کی میں ابھی ان کلمات کو پورا بھی نہ کر چکی تھی ایک جانور منہ کھولے ہوئے دریا سے نکلا اور اس حبشی کا نوالہ کر گیا اور غوطہ لگا کر پانی کی تہہ میں چلا گیا اور اللہ سبحان و تعالیٰ نے اپنے قوت سے مجھے اس سے بچا لیا۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پھر موجیں مجھے تھپیڑے دینے لگیں حتیٰ کہ ایک جزیرہ میں پہنچا دیا۔ میں نے جی میں کہا یہاں کی سبزی اور پانی پر گزارہ کروں گی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کوئی صورت پیدا نہ کرے وہی نجات دینے والا ہے۔ اس طرح چار روز مجھ پر گزر

گئے۔ پانچویں دن دور سے ایک کشتی نظر آئی میں نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر ان کی طرف کپڑے سے اشارہ کیا۔ ان میں سے تین آدمی ایک ناؤ پر بیٹھ کر میری طرف آئے۔ میں ان کے ساتھ ناؤ پر سوار ہو کر کشتی میں داخل ہوئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ میرا بچہ جس کو حبشی نے دریا میں ڈال دیا تھا ایک شخص کے پاس ہے۔ یہ دیکھ کر مجھ سے رہا نہ گیا میں نے اپنے آپ کو اس بچہ پر گرا دیا اور اسے چومنے لگی اور کہا یہ میرا بچہ ہے۔ میرے جگر کا ٹکڑا ہے کشتی والے کہنے لگے تو دیوانی ہے تیری عقل ماری گئی ہے۔ میں نے کہا نہ میں دیوانی ہوں نہ میری عقل ماری گئی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے اور اپنا سارا قصہ از اول تا آخر کہہ سنایا یہ سن کر انہوں نے سر جھکا لیا اور کہا اے لڑکی تو نے عجیب قصہ سنایا ہم بھی ایک قصہ سنائیں گے جس سے تجھے بھی تعجب ہو گا۔ ہم موافق ہوا میں چل رہے تھے کہ ایک بڑا دریائی جانور ہمارے آڑے آیا اور سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور یہ بچہ اس کی پشت پر تھا اور ایک منادی آواز دے رہا تھا کہ اگر اس بچہ کو لے کر نہ چلو گے تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ چنانچہ ہم میں سے ایک آدمی اس مچھلی کی پشت پر چڑھا اور اس بچہ کو لے آیا۔ اس کے کشتی پر آتے ہی وہ جانور غوطہ مار کر چلا گیا ہمیں اس سے بھی اور تیرے بیان کئے ہوئے قصہ سے بھی بہت تعجب ہوا۔ ہم سب خدا سے عہد کرتے ہیں کہ وہ آج کے بعد ہمیں معصیت میں نہ دیکھے گا۔ چنانچہ ان سب نے توبہ کی۔ پاک ہے وہ بندوں پر لطف کرنے والا۔ آج کی خبر رکھنے والا۔ مصیبت زدہ کی مدد کرنے والا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک مرتبہ بصرہ کے مشائخین میں سے ایک بزرگ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے پاس آئے اور گفتگو کے دوران زیادہ تر وقت دنیا کی شکایت کرتے رہے۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے فرمایا، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو دنیا سے بہت انس ہے کیونکہ جس شخص کو جس چیز سے زیادہ انس و محبت ہوتی ہے وہ اس کا بہت زیادہ ذکر کرتا ہے اس لئے اگر آپ کو دنیا سے محبت نہ

ہوتی تو آپ اس کا کبھی بھی اس قدر ذکر نہ کرتے۔ آپ کی یہ بات سن کر وہ بزرگ خاموش ہو گئے اور پھر آپ کے سامنے دنیا کی شکایت نہ کی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں بازار میں گیا میرے ساتھ ایک حبشی لونڈی تھی میں نے اسے بازار میں ایک جگہ بٹھایا اور کہا کہ میرے آنے تک یہیں رہنا۔ وہ وہاں سے چلی گئی۔ میں جب لوٹ کر آیا تو اسے نہ پایا۔ میں اس پر بہت غصہ ہو کر گھر آگیا۔ وہ لونڈی میرے پاس آئی اور کہا اے آقا تم مجھ پر جلدی نہ کرو تم نے مجھے ایسی قوم کے پاس بٹھایا جو اللہ کا ذکر نہیں کرتے تھے مجھے ڈر لگا کہ کہیں وہ اللہ کے عذاب سے زمین میں نہ دھنس جائیں اور میں بھی ان کے ساتھ دھنس جاؤں۔ میں نے کہا اس امت سے ان کے نبی کی برکت سے خسف (دھنسنا) اٹھ گیا ہے اس نے کہا اگرچہ خسف مکانی جاتا رہا ہے لیکن خسف قلوب باقی ہے۔ اے وہ شخص! جس کا قلب اور معرف کا خسف ہو گیا ہے اور وہ ابھی تک اپنی بلا اور کرب سے غافل ہے جلدی دوا اور پرہیز میں مشغول ہو جا اور اپنی موت اور فنا سے پہلے اپنا تدارک کر۔ پھر چند اشعار پڑھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

بہار کا خوشگوار موسم تھا۔ مگر آپ پھر بھی گھر کے اندر ہی پڑی رہتیں۔ باہر نہ آتی تھیں۔ ایک خدمت گزار خاتون نے کہا۔

"آپ باہر آکر صانع حقیقی کی قدرت تو ملاحظہ فرمائیں۔"

آپ نے جواب دیا۔

"تو ایک مرتبہ اندر آ اور آکر خود صانع حقیقی کو دیکھ۔ میرا کام صانع کو دیکھنا ہے نہ کہ صنعت کو۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک روز حضرت رابعہ بصری کہیں سے گزر رہی تھیں تو دیکھا وہاں ایک

شخص جنت کا ذکر کر رہا ہے۔ آپ رک گئیں اور فرمایا۔

"میاں خدا سے ڈرو۔ تم کب تک بندگان خدا کو خدا کی محبت سے غافل رکھو گے۔ تم کو چاہئے کہ پہلے اپنے خدا کی محبت کی تعلیم دو اور پھر جنت کا شوق دلاؤ۔"

اس شخص نے رابعہ بصری کی بات سنی تو ناک بھوں چڑھائی اور تنک کر بولا۔

"اے دیوانی جا..... اپنا راستہ لے۔"

حضرت رابعہ بصریؒ نے کہا۔

میں تو دیوانی نہیں ہوں مگر تو دیوانہ ضرور ہے کہ راز کی بات نہ سمجھ سکا۔ ارے جنت تو قید خانہ ہے اور مصیبت کا گھر ہے کہ اگر وہاں اللہ کا قرب میسر نہ ہو۔ کیا تم نے آدم کا حال نہیں سنا کہ جب تک ان پر خدا کا سایہ رہا۔ کیسے آرام سے جنت میں میوہ خوری کرتے رہے اور جس وقت خطا کر بیٹھے اور شجر ممنوعہ کا پھل کھا لیا تو خدا کی شفقت کا سایہ سر سے اٹھ گیا، تو..... وہی جنت آدمؑ کے لئے قید خانہ اور مصیبت کا گھر بن کر رہ گئی۔"

پھر کہا۔

"کیا تمہیں ابراہیم خلیل اللہ کا حال معلوم نہیں کہ جب وہ محبت الٰہی میں پورے اترے اور آگ میں ڈالے گئے تو وہ آگ ان کے لئے جنت و عافیت بن گئی۔

پس..... پہلے جنت کے مالک سے محبت پیدا کرو پھر جنت میں جانے کی آرزو کرو۔ ایسی جنت میں جا کر کیا لوگے، جہاں تم پر خدا کا سایہ نہ ہو۔ اگر جنت کسی مشتاق کو مل جائے مگر وہاں دیدار الٰہی نصیب نہ ہو تو ایسی جنت کس کام کی اور اگر عاشقوں کو دوزخ ملے اور وہاں دیدار الٰہی نصیب ہو تو ایسی دوزخ اس طرح کی جنت سے لاکھ درجے بہتر ہے، اسے شوق سے لے لو، دنیا و مافیہا میں اور اس ساری کائنات میں اگر کچھ ہے تو وہ عشق الٰہی ہے۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ نے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے ملاقات کرنے کی غرض سے آپ کے ہاں پہنچا تو دیکھا کہ آپ کے پاس ایک بوسیدہ سی چٹائی ہے جس پر اینٹ کا تکیہ بنا کر آرام فرماتی ہیں۔ مٹی کا ایک ٹوٹا ہوا لوٹا ہے جس سے آپ پانی بھی پیتی ہیں اور وضو بھی فرماتی ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے آپ سے کہا کہ بہت سے امیر آدمی میرے جاننے والے ہیں اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے لئے ان سے کچھ طلب کروں۔ میری بات سن کر آپ نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا تمہیں اور مجھے اور دولت مندوں کو روزی دینے والی ایک ہی ذات نہیں ہے؟ میں نے کہا سب کی روزی رساں تو ایک ہی ذات باری تعالیٰ ہے۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے فرمایا، تو پھر کیا اس ذات باری تعالیٰ نے درویشوں کو ان کی غربت کے باعث فراموش کر دیا ہے اور دولت مندوں کو رزق دینا اسے یاد رہ گیا ہے؟ میں نے کہا، نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔ ارشاد فرمایا جب وہ ذات باری تعالیٰ ہر ایک کی ضرورت سے آگاہ ہے اور جانتی تو پھر ہمیں یاد دلانے کی کیا ضرورت ہے اور تمہیں تو اس کی رضا میں راضی رہنا چاہئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آج آپ مجھے وہ باتیں بتائیں جو آپ نے کسی کتاب یا عالم کے وسیلے سے حاصل نہ کی ہوں بلکہ براہ راست آپ تک پہنچی ہوں۔ ان کی بات سن کر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا تھوڑی دیر تک خاموش رہیں پھر فرمایا میں نے ایک مرتبہ اپنی ضرورت کی اشیاء خریدنے کی غرض سے اپنے ہاتھ سے بٹی ہوئی چند رسیاں فروخت کیں۔ خریدار نے مجھے اس کے عوض دو درہم دیئے تو میں نے ایک درہم اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑ لیا اور دوسرا اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔ مجھے اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں ایک ہی ہاتھ میں دونوں درہم لینے سے میں گمراہ نہ ہو جاؤں۔ (آپ کا

مطلب یہ تھا کہ کہیں مال کی کثرت کے باعث گمراہ نہ ہو جاؤں۔)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک جوان تھے جن کے حسن کا ہم پلہ اس زمانہ میں کوئی نہ تھا یہ پٹاریاں بیچا کرتے تھے۔ ایک دن وہ پٹاریاں لئے گھوم رہے تھے کہ ایک عورت کسی بادشاہ کے یہاں سے نکلی جب اسے دیکھا تو دوڑی ہوئی اندر گئی اور بادشاہ زادی سے کہا کہ میں نے ایک جوان کو پٹاریاں بیچتے ہوئے دروازہ پر دیکھا ہے ایسا خوبصورت آدمی کبھی نظر نہیں آیا، شہزادی نے کہا اسے بلا لاؤ اس نے باہر نکل کر اس جوان سے کہا اے جوان اندر آؤ ہم بھی خریدیں گے۔ جب وہ اندر داخل ہوا تو اس نے دروازہ بند کر لیا۔ پھر وہ دوسرے دروازہ میں داخل ہوا اسی طرح تین دروازوں میں داخل ہوا اور اس نے دروازہ بند کر لیا۔ پھر شہزادی سینہ اور چہرہ کھولے ہوئے اس کے سامنے آئی۔ اس جوان نے کہا اپنی ضرورت کی چیز خرید لو تو میں جاؤں اس نے کہا ہم نے خریدنے کو نہیں بلایا ہے بلکہ اپنے نفس کی حاجت پوری کرنے کو بلایا ہے اس نے کہا خدا سے ڈر۔ اس نے کہا اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو میں بادشاہ سے کہوں گی کہ تو بدکاری کے ارادہ سے میرے گھر میں گھس آیا تھا۔ اس نے اسے نصیحت کی مگر وہ نہ مانی، پھر اس نے کہا میرے واسطے وضو کے لئے پانی چاہئے۔ کہنے لگی مجھ سے بہانہ نہ کر اور لونڈی سے کہا اس کے واسطے چھت پر وضو کا پانی رکھ دو جہاں سے یہ کسی طرح بھاگ نہ سکے۔ وہ چھت زمین سے چالیس گز اونچی تھی۔ جب اوپر پہنچا تو کہنے لگا "یا اللہ مجھے برے کام پر مجبور کیا جاتا ہے لیکن میں اپنے آپ کو یہاں سے گرا دینا ارتکاب گناہ سے اچھا جانتا ہوں۔ پھر بسم اللہ کہہ کر چھت سے کود پڑا" اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے اس کا بازو پکڑ کر زمین پر کھڑا کر دیا اسے کچھ تکلیف نہ ہونے پائی، پھر دعا کی اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بغیر اس تجارت کے بھی روزی دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس سونے کی ایک تھیلی بھیجی۔ اس نے اس میں سے

جتنا اس کے کپڑے میں سمایا لے لیا۔ پھر کہا الٰہی اگر یہ میری دنیا کی روزی ہے تو اس میں مجھے برکت دے اور اگر اس کے بدلے میرا اخروی ثواب کم ہو جائے گا تو مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آواز دی گئی کہ یہ ایک جز ہے اس صبر کا جس کو تو نے چھت پر سے گرتے وقت اختیار کیا تھا۔ کہا اے اللہ میرا اخروی ثواب گھٹانے والی چیز مجھے بالکل درکار نہیں ہے۔ چنانچہ وہ سونا اس سے پھیر لیا گیا اور شیطان سے کہا گیا کہ تو نے اسے چھت پر سے گرتے وقت کیوں نہ بہکایا۔ کہنے لگا کہ میں ایسے شخص کو کیونکر بہکاتا جس نے اللہ کے واسطے اپنی جان خرچ کر دی۔ خدا ان پر رحم کرے اور ہمیں ان کی برکت سے مستفیض کرے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک مرتبہ چند بزرگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کس لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو؟ ایک بزرگ نے جواب میں کہا کہ ہم دوزخ کے ان طبقات سے خوفزدہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں جن پر سے قیامت کے دن گزرنا پڑے گا اور ہم اس لئے اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتے ہیں کہ تاکہ دوزخ سے محفوظ رہ سکیں۔ ایک بزرگ نے کہا کہ ہم اس لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کرتے ہیں تاکہ ہمیں جنت عطا ہو جائے۔ یہ سن کر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے فرمایا، جو کوئی بندہ دوزخ کے خوف اور جنت کی امید و خواہش کے باعث اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کرتا ہے وہ نہایت ہی برا ہے۔ اس پر لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ سے امید اور خوف نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا پہلے پڑوسی ہے اور بعد میں اپنا گھر اس لئے ہماری نگاہوں میں جنت اور دوزخ کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت فرض عین ہے اور اگر وہ جنت اور دوزخ کو پیدا نہ فرماتا تو کیا بندے اس کی بندگی نہ کرتے۔ یہ سن کر تمام لوگ خاموش ہو گئے۔

حضرت فرید الدین عطارؒ نے ایسا ہی ایک اور واقعہ بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ایک چور حضرت رابعہؒ کے گھر میں داخل ہوا تو وہاں ایک لوٹے کے سوا کچھ بھی نہ پایا۔ وہ مایوس ہو کر واپس جانے لگا تو حضرت رابعہ بصریؒ نے کہا۔

"اگر تو واقعی چور ہے تو خالی ہاتھ نہ جانا"

چور نے کہا!

"یہاں رکھا ہی کیا ہے؟"

حضرت رابعہ بصریؒ نے کہا۔

"اے شخص! اس لوٹے کے پانی سے وضو کر کے اس حجرے میں داخل ہو جا اور دو رکعت نماز پڑھ لے تو کچھ لے کر ہی نکلے گا۔"

چور نے اس پر عمل کیا۔ وہ نماز کے لئے کھڑا ہوا تو حضرت رابعہ بصریؒ نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا۔

"اے مولا، میرے آقا، یہ شخص میرے گھر میں آیا اور کچھ نہ پایا۔ میں نے اسے تیرے در پر لا کھڑا کیا ہے۔ اپنے فضل و کرم سے اسے محروم نہ کرنا۔"

چور نے دو رکعت نماز ختم کی تو اسے عبادت میں مزہ آنے لگا۔ وہ رات بھر نماز پڑھتا رہا۔ صبح ہوئی۔ حضرت رابعہ اس کے حجرے کی طرف گئیں تو اسے سجدے میں گرا پایا اور وہ اس طرح اپنے نفس سے مخاطب تھا۔

"جب پروردگار مجھ پر عتاب کرتے ہوئے کہے گا تو مجھ سے نافرمانی کرتا ہوا شرماتا نہیں۔ مخلوق سے چھپاتا ہے مگر میرے سامنے نافرمان بن کر آتا ہے تو اے نفس بتا میرا کیا جواب ہوگا۔"؟

حضرت رابعہ نے تھوڑے سے توقف کے بعد کہا

"میاں کہو رات کیسی گزاری۔"؟

اس نے کہا۔

"خیریت سے۔ میں مولا کے سامنے مجبور و ذلیل بن کر کھڑا ہوا تو اس نے

میرا عذر قبول کر لیا اور میری کوتاہیوں کو معاف کر دیا۔ میرے گناہ بخش دیئے اور مجھے میرا مطلوب دے دیا۔"!

چور نے یہ کہا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ حضرت رابعہؒ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"میرے مالک، میرے آقا، یہ ایک گھڑی تیرے حضور کھڑا ہوا اور تو نے اسے قبول کر لیا اور میں نے جب سے تجھے پہچانا ہے، تیرے سامنے کھڑی ہوں۔ کیا تو نے مجھے قبول کر لیا ہے۔"؟

غیب سے صدا آئی۔

"اے رابعہؒ تیری ہی وجہ سے تو ہم نے اسے قبول کیا اور تیری ہی وجہ سے اسے اپنا مقرب بنایا۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ آپ گوشہ نشین ہو کر عبادت الٰہی میں مشغول رہا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا کہ ذرا باہر نکل کر دیکھیں کہ کیسا بہار کا موسم چھایا ہوا ہے۔ آپ نے یہ بات سن کر اسی وقت فرمایا میرا کام تو صانع کو دیکھنا ہے، اس کی صنعت کو نہیں اور میں اس کے دیکھنے میں محو ہوں اس لئے کسی اور طرف دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت کبیر عارف ربانی مرلی عیسیٰ رہتار یمنیؒ کا ایک دن ایک رنڈی پر گزر ہوا آپ نے فرمایا ہم عشاء کے بعد تیرے پاس آئیں گے وہ سن کر بہت خوش ہوئی اور خوب بناؤ سنگار کر کے شیخ کے انتظار میں بیٹھ گئی جن لوگوں نے یہ سنا بہت حیران ہوئے عشاء کے بعد حسب وعدہ آپ اس کے یہاں تشریف لائے اور اس کے مکان میں دو رکعت نماز ادا کر کے نکل کھڑے ہوئے۔ اس رنڈی نے کہا آپ

تو جار ہے ہیں فرمایا میرا مقصود حاصل ہو گیا۔ چنانچہ اسی وقت اس رنڈی کی حالت بدل گئی اور شیخ کے ہاتھ پر توبہ کی اور اپنا کل مال و اسباب چھوڑ دیا۔ حضرت نے اس کا ایک فقیر سے نکاح کر دیا اور فرمایا ولیمہ میں صرف روٹیاں پکواؤ سالن کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے حسب الارشاد روٹی پکوا کر شیخ کے پاس حاضر کی، اس رنڈی کا یار ایک امیر شخص تھا اس سے کسی نے جا کر کہا کہ فلاں رنڈی نے توبہ کر لی اس نے کہا کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا واللہ اس نے توبہ کر لی اور اس کا ایک کے ساتھ نکاح بھی ہو گیا اور اس کا اس وقت ولیمہ بھی ہے جس میں صرف روٹیاں ہیں سالن نہیں ہے اس امیر نے دو شراب کی بوتلیں اس کے حوالہ کیں اور کہا تو جا کر شیخ کو میرا سلام کہہ اور اس کے بعد یہ کہہ کہ میں نے یہ واقعہ سنا جس سے بہت خوشی ہوئی اور معلوم ہوا ہے کہ ولیمہ میں سالن کا انتظام نہیں ہے اس وجہ سے میں یہ روانہ کرتا ہوں اس کا سالن بنالو۔ اس کا مقصد فقراء سے مذاق اور شرمندہ کرنا تھا۔ وہ قاصد جب شیخ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے فرمایا تو نے بہت دیر لگا دی پھر ان میں سے ایک بوتل لے کر خوب ہلائی اور پیالہ میں ڈال دی پھر دوسری بوتل کا بھی ایسا ہی کیا۔ پھر اس شخص سے کہا تو بھی بیٹھ کر کھالے۔ وہ قاصد یہی کہتا ہے کہ میں نے بھی بیٹھ کر کھایا تو وہ ایسا عمدہ گھی بن گیا تھا کہ میں نے کبھی ویسا نہ کھایا تھا اور سارا قصہ اس نے جا کر اس امیر کو سنایا۔ اس امیر نے آکر سارا قصہ دیکھا اور حیران ہو گیا یہ دیکھ کر اس نے بھی حضرت کے ہاتھ پر توبہ کی۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہئے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل فرمانے والا ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

دنیا سے بے رغبتی

روایت ہے کہ ایک بار آپ نے سات دن تک صرف پانی سے روزہ کھولا۔ گھر میں کھانے کے لئے روٹی کا ایک لقمہ بھی نہیں تھا۔ افطار کا وقت قریب تھا کہ حضرت رابعہ بصریؒ پر بھوک کا غلبہ ہوا۔ نفس نے آپ سے فریاد کی۔

”رابعہ آخر تو کب تک مجھے بھوکا رکھے گی؟“

یہ خیال ابھی آپ کے دل میں گزرا ہی تھا کہ کسی شخص نے دروازے پر دستک دی۔ آپ باہر تشریف لائیں تو ایک نیاز مند کھانا لئے کھڑا تھا۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے کھانا قبول کر لیا اور نفس سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ ”میں نے تیری فریاد سن لی ہے۔ کوشش کروں گی کہ تجھے مزید اذیت نہ پہنچے۔“

یہ فرما کر آپ نے کھانا فرش پر رکھ دیا اور خود چراغ جلانے اندر چلی گئیں۔ واپس آئیں تو دیکھا کہ ایک بلی نے کھانے کے برتن الٹ دیئے تھے اور زمین پر گرا ہوا کھانا کھا رہی تھی۔ حضرت رابعہ بصریؒ بلی کو دیکھ کر مسکرائیں۔ ”شاید یہ تیرے ہی لئے بھیجا گیا تھا۔ اطمینان سے کھالے۔“

اب افطار کا وقت قریب ہو چکا تھا۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے چاہا کہ پانی ہی

سے افطار کر لیں۔ اتنے میں تیز ہوا کا جھونکا چلا اور چراغ بجھ گیا۔ حضرت رابعہؒ اندھیرے میں آگے بڑھیں۔ اتفاق سے پانی کا برتن بھی ٹوٹ گیا اور سارا پانی زمین پر بہہ گیا۔ بہت ہی عجیب صورتحال تھی۔ بے اختیار آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے۔

"یاالٰہی! یہ کیا راز ہے؟ میں گنا ہگار' نہیں جانتی کہ تیری رضا کیا ہے؟"

اس کے جواب میں ایک صدائے غیب سنائی دی۔ "اے میری محبت کا دم بھرنے والی! اگر تو چاہتی ہے کہ تیرے لئے دنیا کی نعمتیں وقف کر دوں تو پھر میں تیرے دل سے اپنا غم واپس لے لوں گا...... کیونکہ میرا غم اور دنیا کی نعمتیں ایک ہی دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اے رابعہ! تیری بھی ایک مراد ہے اور میری بھی ایک مراد ہے تو ہی بتا کہ دونوں مرادیں ایک جگہ کیسے رہ سکتی ہیں۔؟"

حضرت رابعہ بصریؒ فرماتی ہیں کہ جب میں نے یہ آواز سنی تو دنیا سے ہمیشہ کے لئے منہ موڑ لیا اور ساری امیدیں ترک کر دیں۔ اس کے بعد میں نے ہر نماز کو آخری نماز سمجھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت حسن (بصریؒ) فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک فاحشہ عورت تھی جس کے پاس حسن کا تہائی حصہ تھا۔ جب تک سو دینار نہ لے لیتی کسی کو اپنے پاس نہ آنے دیتی۔ اسے ایک عابد نے دیکھا اور عاشق ہو گیا اور محنت مزدوری کر کے سو دینار جمع کئے پھر اس عورت کے پاس آیا اور کہا تیرا حسن مجھے بھا گیا تھا۔ میں نے محنت مزدوری کر کے سو دینار جمع کر لئے ہیں۔ اس نے کہا لے آ۔ وہ شخص اس کے یہاں پہنچا اس کا ایک سونے کا تخت تھا جس پر وہ بیٹھا کرتی تھی۔ اسے بھی اس نے اپنے پاس بلایا جب عابد آمادہ ہوا اور اس کے پاس جا بیٹھا تو ناگاہ اسے اللہ کے سامنے قیامت کے دن کھڑا ہونا یاد آ گیا اور فوراً اس کے بدن میں رعشہ پڑ گیا اور کہا مجھے جانے دے سو دینار تیرے ہی ہیں۔ اس نے کہا تجھے کیا ہو

گیا تو نے تو کہا تھا کہ میں تجھے پسند آ گئی اور تو نے محنت مزدوری کر کے دینار جمع کئے اور جب مجھ پر قادر ہوا تو یہ حرکت کی۔ کہا مجھ پر اللہ کا خوف طاری ہو گیا اور اللہ کے سامنے جانے کا اندیشہ غالب آ گیا۔ میرے دل میں تیری عداوت پیدا ہو گئی۔ اب تو میرے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ قابل نفرت ہے، اس نے کہا اگر تو سچا ہے تو میرا شوہر بھی تیرے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس نے کہا مجھے نکل جانے دے۔ اس نے کہا مجھ سے نکاح کرنے کا وعدہ کر جاؤ۔ کہا عنقریب ہو جائے گا۔ پھر سر پر چادر ڈالی اور اپنے شہر کو چلا گیا۔ وہ عورت بھی توبہ کر کے اس کے پیچھے اس شہر کو روانہ ہوئی۔ اس شہر میں پہنچ کر لوگوں سے اس عابد کا حال دریافت کیا لوگوں نے اسے بتایا۔ اس عورت کو ملکہ کہتے تھے۔ عابد سے بھی کسی نے کہا کہ تمہیں ملکہ تلاش کرتی پھرتی ہے۔ انہوں نے جب اسے دیکھا فوراً ایک چیخ ماری اور جان حق تسلیم کی۔ وہ عورت ناامید ہو گئی۔ پھر اس نے کہا یہ تو مر ہی گئے ان کا کوئی رشتہ دار بھی ہے؟ لوگوں نے کہا اس کا بھائی بھی فقیر آدمی ہے کہنے لگی اس کے بھائی کی محبت کی وجہ سے اس سے نکاح کروں گی، چنانچہ اس سے نکاح کیا جس سے سات لڑکے پیدا ہوئے۔ سب کے سب نیک بخت صالح تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

روایت ہے کہ ایک بار حضرت سفیان ثوریؒ حضرت رابعہ بصریؒ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور فرمانے لگے "رابعہ! آج مجھے وہ باتیں بتاؤ جو تم نے کسی کتاب یا عالم کے ذریعے حاصل نہ کی ہوں بلکہ وہ براہِ راست تم تک پہنچی ہوں۔"

حضرت رابعہ بصریؒ کچھ دیر تک غور کرتی رہیں۔ پھر آپ نے امام وقت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ "ایک بار میں نے اپنی ضرورت کی چیزیں خریدنے کے لئے ہاتھ سے بٹی ہوئی چند رسیاں فروخت کیں۔ خریدار نے مجھے دو درہم دیئے تو میں نے ایک درہم ایک ہاتھ میں لیا اور دوسرا دوسرے ہاتھ میں مجھے یہ ڈر تھا کہ ایک ہی ہاتھ میں دونوں درہم لینے سے کہیں میں گمراہ نہ ہو جاؤں۔" اس

بات سے حضرت رابعہ بصریؒ کا اشارہ کثرت مال کی طرف تھا۔

ایک بار آپ نے کسی شخص کو چند سکے دے کر فرمایا۔ "میرے لئے بازار سے جا کر کمبل خرید لاؤ"

اس شخص نے عرض کیا۔ "مخدومہ! آپ کو سفید کمبل درکار ہے یا سیاہ؟"

یہ سن حضرت رابعہ بصریؒ نے ناخوشگوار لہجے میں فرمایا۔ "پیسے واپس دے دو۔ ابھی کمبل خریدا نہیں اور سیاہ و سفید کا جھگڑا شروع ہو گیا۔" پھر اس شخص سے پیسے واپس لے کر اپنی خادمہ کو دے دیئے اور فرمایا کہ انہیں جا کر دریا میں پھینک آؤ۔ ان تمام واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت رابعہ بصریؒ دنیا اور اہل دنیا سے کس قدر بے نیازانہ تعلق رکھتی تھیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

شیخ ابو العباس کے شاگرد شیخ صفی الدین ابو منصور فرماتے ہیں کہ میرے استاد کی ایک صاحبزادی تھیں آپ کے دوستوں اور مصاحبوں میں سے بہت سے لوگ ان سے نکاح کرنا چاہتے تھے۔ شیخ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا میری اس لڑکی سے نکاح کا کوئی ارادہ نہ کرے کیونکہ جب یہ پیدا ہوئی تھی اس وقت مجھے حق سبحانہ تعالیٰ نے اس کے خاوند کی اطلاع دے دی تھی اور اس کا منتظر ہوں۔

حضرت شیخ صفی الدین فرماتے ہیں کہ میں اس وقت اپنے والد کے ہمراہ (جو ملک اشرف کی وزارت پر تھے) نہر فرات کے پار تھا۔ جب ہم مصر آئے تو ملک عادل نے میرے والد کو قاصد بنا کر ابو عزیز کے پاس مکہ مکرمہ بھیجا تا کہ ملک مسعود ان ملک کامل کی یمن میں جا کر مدد کرے۔ اس وقت میں شیخ ابو العباسؒ کے پاس حاضر ہو کر ان کا مصاحب ہوا میرے بچپن ہی میں جب کبھی شیوخ کا ذکر آتا تو ان کی صورت میرے سامنے آ جاتی۔ جب میں انکے سامنے بیٹھا تو میری شکل بدل گئی۔ جبکہ میری اچھی شکل تھی۔ زرین لباس تھا اور سواری کے لئے عمدہ خچر تھا۔ میں گھر بار چھوڑ کر شیخ ہی کے پاس آ رہا حتیٰ کہ میرے والد بڑی حشمت کے ساتھ

مکہ مکرمہ سے لوٹے اور ان کی ملاقات کے لئے مصر سے بڑی مخلوق پورے اہتمام اور ڈیرے خیموں کے ساتھ شہر کے باہر گئی، مجھ سے بھی شیخ نے فرمایا اپنے والد کی ملاقات کے لئے جاؤ۔ میں نے کہا میرا آپ کے سوا کوئی باپ نہیں اور اب میں نہ ان کی سواریوں پر سوار ہوں گا نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤں گا۔ فرمایا اپنی بری حالت ہی کے ساتھ جاؤ چنانچہ میں ایک معمولی سواری پر زردی حالت میں سوار ہو کر چلا۔ میرے عزیز میری حالت دیکھ کر روتے تھے۔ جب والد صاحب سے حاجیوں کے پڑاؤ پر میں نے ملاقات کی تو میں تنہا تھا میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے مجھے پہچانا نہ ان کے ساتھیوں نے ان کے ہمراہ سالاران فوج اور غلام اور خدام سب تھے۔ جب اس کے بعد مجھے پہچانا تو دم بخود رہ گئے اور ان کے چہرہ کا رنگ زرد ہو گیا اور سخت حیران ہوئے اور ہکا بکا رہ گئے خدا ان کو اس کا اجر عطا فرمائے۔ پھر آگے چلے تو میرے اہل و اقرباء بھائی اور جو لوگ نکلے تھے ان سے آ ملے اور جمع ہو گئے اور میں تنہا ایک کونے میں کھڑا رہا۔ جب وہ اپنے پڑاؤ پر آئے تو ان کے سامنے تحفے اور کھانے وغیرہ جو شہر سے ساتھ لائے تھے پیش کئے اور جو جو لوگ ان کے ہمراہ تھے اور جو ان سے ملنے آئے تھے سب دستر خوان پر جمع ہو گئے مگر میں تنہا الگ رہا اور سخت گریہ وزاری کرتا رہا جیسا کہ قیدی کو جب اس کے اہل و عیال سے چھڑاتے ہیں تو آہ و زاری کرتا اور روتا ہے۔ اخیر میں مجھے والد نے قید کرنے کی دھمکی دی اگر میں اپنے اس طریقے سے باز نہ آؤں اور پہلے کا طریقہ اختیار نہ کروں۔ میں نے شیخ کو اس کی خبر دی۔ آپ نے مجھے اپنے یہاں سے نکال دیا اور کہا اپنے باپ کے پاس جاؤ اور پھر کبھی میرے یہاں نہ آؤ۔ ایک مدت تک میں روتا تھا اور لیلیٰ کے مجنوں کا یہ شعر پڑھتا رہا۔

جننا بليلى ثم جنت بغيرنا
واخرى بنا مجنونة لا نريدها

(ترجمہ) میں لیلیٰ پر دیوانہ ہوا تو وہ غیر پر دیوانی ہو گئی اور ایک تو مجھ پر بھی

دیوانی ہو گئی ہے جس کو میں نہیں جانتا)

اس وقت اللہ نے مجھے شیخ کے مقصود کے راز پر مطلع فرمایا شیخ نے میرے صدق کا امتحان کرنا چاہا ہے تاکہ میرے بارے میں وہ خواہش وارادے سے بری ہو جائیں۔ اس وقت شیخ کی طرف سے میرا دل صاف ہو گیا اور اپنے باپ کے گھر جا کر ایک گوشہ میں بیٹھ رہا اور قسم کھائی کہ جب تک شیخ کا حکم نہ ہو نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا نہ سوؤں گا نہ باہر نکلوں گا۔ والد نے میری حالت پوچھی تو لوگوں نے شیخ کے نکال دینے کا اور میرے قسم کھا لینے کا سارا قصہ بیان کر دیا۔ کہا جب بھوک پیاس لگے گی تو خود بخود کھائے گا۔ چنانچہ میں تیسرے دن بھی اسی حالت پر رہا والد صاحب اس دن بیدار ہوئے اور فرمایا اس سے کہہ دو کہ شیخ کے پاس جائے اور جو چاہے کرے۔ میں نے کہا میں نہیں جاؤں گا یہاں تک کہ والد صاحب خود مجھ کو شیخ کے پاس لے جا کر ان کے حوالے نہ کر دیں۔ اس سے میری غرض شیخ کا اعزاز بڑھانا تھا۔ کہا اچھا اور مجھے ساتھ لے کر پیدل شیخ کی مسجد کی طرف گئے اور آپ کا ہاتھ چوم کر فرمایا حضرت یہ آپ کا لڑکا ہے اسے جو چاہے کیجئے۔ میری آرزو تو یہ تھی کہ اس کی جگہ پر میں خود آپ کا خدمت گزار ہوتا۔ شیخ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے آپ کو نفع پہنچائے گا۔ پھر مجھے شیخ کے سپرد کر کے چلے گئے خداوند عالم انہیں بڑی جزا عطاء فرمائے اور میری جانب سے بھی جزائے خیر عطاء فرمائے۔ ایک مہینہ تک میں نے انہیں نہ دیکھا اور میں شیخ کے مکان پر دو گھڑے پانی سے بھر کر ننگے پاؤں لے جایا کرتا تھا اور لوگ مجھے دیکھ کر والد سے بیان کرتے تھے تو وہ فرماتے تھے میں نے اسے اللہ کے لئے چھوڑ دیا ہے اور اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ اس کا یہ ثواب ضائع نہ ہو گا اور دعا کرتا ہوں کہ اسے اپنے لائق اجر عطاء فرمائے۔ پھر والد کی وفات کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ شیخ مجھ سے فرمارہے ہیں کہ اے صفی الدین میں نے اپنی لڑکی کا تجھ سے نکاح کر دیا ہے۔ جب میں بیدار ہوا تو میں حیران رہ گیا۔ شرم کی وجہ سے اس واقعہ کی شیخ کو

اطلاع نہیں کر سکتا تھا۔ اگر نہ کروں تو خیانت کا اندیشہ تھا کہ میں ان سے کوئی بات دیکھی ہوئی نہ کہوں۔ اتنے میں شیخ نے مجھے دیکھا اور فرمایا تو نے خواب میں کیا دیکھا تھا؟ مجھ پر ان کی ہیبت طاری ہو گئی اور خاموش رہا۔ فرمایا بیان کرو تمہیں کہنا پڑے گا میں نے کہا میں نے یہ واقعہ دیکھا۔ فرمایا اے بیٹے! یہ تو ازل ہی سے ہو چکا تھا اس قسم کا کوئی اور فقرہ کہا اور میرا عقد اپنی لڑکی کے ساتھ کر دیا اور وہ اولیاء اللہ میں سے تھیں ان کے چہرے پر ایسا نور تھا کہ کسی دیکھنے والے کو ان کے ولی اللہ ہونے میں شبہ نہیں ہوتا تھا نہ ان کے جنتی ہونے میں شبہ ہوتا تھا۔ ان سے کئی بچے ہوئے اور سب کے سب فقہاء و فقراء ہوئے اور ہم ان کی برکت سے ان کے والد کی وفات کے بعد بھی ایک مدت تک زندہ رہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

روایت ہے کہ ایک بار کسی شخص نے بر سر مجلس آپ سے سوال کیا۔ "آپ کہاں سے آئی ہیں۔؟"

"اس جہان سے۔" حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا۔

اسی شخص نے دوسرا سوال کیا۔ "اور کہاں جائیں گی؟"

"اسی جہان میں۔" حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا۔

پھر جب آپ سے پوچھا گیا کہ اس جہان میں کیا کرتی ہیں تو فرمانے لگیں۔

"میں افسوس کے سوا کچھ نہیں کرتی۔"

اس شخص نے پوچھا کہ آپ کس بات پر افسوس کرتی ہیں تو حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا۔ "اس جہان کی روٹی کھا کر اس جہان کا کام کرتی ہوں۔"

اس کے بعد حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے کہا۔ "آپ کی زبان میں عجیب مٹھاس ہے۔ اس لئے آپ مسافر خانے کی محافظت کے لائق ہیں۔"

اس شخص کی بات سن کر حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا۔ "میں یہی کام تو کر رہی ہوں۔ جو کچھ میرے اندر ہے اسے باہر کرتی ہوں اور جو باہر ہے اسے اندر

آنے نہیں دیتی۔ کون آتا ہے اور کون جاتا ہے، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ میں دل کو محفوظ رکھتی ہوں نہ کہ مٹی (جسم) کو۔"

عبادت صرف اللہ کے لئے

عشق الٰہی میں حضرت رابعہ بصریؒ اس قدر غرق رہتی تھیں کہ خوشی اور غم اپنی حیثیت کھو بیٹھے تھے۔ عبادت کے بارے میں آپ کا طرز فکر بڑا عجیب تھا۔ آپ خوف اور طمع سے بے نیاز ہو کر اپنے خالق کو پکارتی تھیں۔ اس بار آپ پر جذب کی کیفیت طاری تھی۔ اہل بصرہ نے دیکھا کہ آپ ایک ہاتھ میں آگ اور دوسرے ہاتھ میں پانی لئے ہوئے بھاگی چلی جارہی ہیں۔ لوگوں نے حضرت رابعہ بصریؒ کو اس حال میں دیکھا تو پوچھا۔

مخدومہ! "یہ کیا ہے؟ آپ کہاں جارہی ہیں؟"

حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا۔ "میں اس پانی سے دوزخ کی آگ کو بجھانے چلی ہوں کہ لوگ اسی کے خوف سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔"

"اور یہ آگ کس لئے ہے۔؟" لوگوں نے پوچھا۔

"میں اس آگ سے جنت کو پھونک ڈالنا چاہتی ہوں تاکہ جو لوگ جنت کی لالچ میں اللہ کی عبادت کرتے ہیں، انہیں جنت نہ مل سکے۔"

یہ حضرت رابعہ بصریؒ کا اپنا انداز فکر تھا جسے جذب و مستی کی کیفیت سے تعبیر کیا جاتا ہے ورنہ دونوں حالتوں میں اللہ کی عبادت جائز ہے۔ قرآن حکیم میں اسی کا حکم دیا گیا ہے۔

ایک بار حضرت رابعہ بصریؒ ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگ رہی تھیں۔ "اے میرے معبود! اگر میں تیری عبادت دوزخ کے خوف سے کرتی ہوں تو مجھے دوزخ ہی میں ڈال دینا...... اور اگر میری ریاضت حصول جنت کے لئے ہے تو اسے مجھ پر حرام کر دینا...... اور اگر میں صرف تیرے ہی لئے تیری پرستش کرتی ہوں تو مجھے

اپنے دیدار سے ہرگز محروم نہ رکھنا۔" یہی وہ عشق ہے جس نے حضرت رابعہ بصریؒ کو ولایت کے منصب تک پہنچایا اور پھر آپ کا نام قیامت تک کے لئے محبت کی علامت بن کر رہ گیا۔

حضرت رابعہ بصریؒ نے ساری زندگی تجرد کے عالم میں گزاری اس زمانے کے کچھ لوگوں نے آپ کی اس روش پر اعتراض کرتے ہوئے کہا "آپ خود کو عارفہ کہتی ہیں مگر پیغمبر اسلام ﷺ کی اس معروف سنت پر عمل نہیں کرتیں۔"

اس کے جواب میں حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا۔ "مجھے تین باتوں کا اندیشہ ہے۔ اگر تم مجھے ان اندیشوں سے نجات دلا دو تو میں آج ہی نکاح کر لوں گی۔ میرا پہلا اندیشہ یہ ہے کہ مرتے وقت ایمان سلامت لے جاؤں گی یا نہیں؟ دوسرا یہ کہ میرا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یا بائیں ہاتھ میں؟ تیسرا یہ کہ قیامت کے دن ایک گروہ کو دائیں طرف سے بہشت میں داخل کیا جائے گا اور دوسرے گروہ کو بائیں طرف سے دوزخ میں۔ تم لوگ بتاؤ کہ میں کس طرف ہوں گی؟"

آپ کے ان تینوں سوالوں کے جواب میں لوگوں نے کہا "ہمیں کچھ نہیں معلوم، بس اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کا کیا حشر ہوگا؟"

ان لوگوں کا جواب سن کر حضرت رابعہ بصریؒ نے انتہائی پرسوز لہجے میں فرمایا "تم خود ہی بتاؤ کہ جس عورت کو اس قدر غم ہوں وہ شوہر کی خواہش کس طرح کر سکتی ہے؟"



بڑے حکیمانہ انداز میں حضرت رابعہ بصریؒ گفتگو فرماتی تھیں۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے صاحبان علم آپ کے حضور میں عاجز رہ جاتے تھے۔ ایک بار کسی شخص نے آپ کی گوشہ نشینی پر اعتراض کرتے ہوئے عرض کیا کہ "ذرا باہر نکل کر دیکھئے کہ کیسی بہار آئی ہوئی ہے۔؟"

اسی طرح ایک بار ایک شخص آپ کی مجلس میں حاضر ہوا جس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ آپ نے سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کے سر میں درد ہے۔

حضرت رابعہ بصریؒ نے دوبارہ پوچھا کہ اس کی عمر کیا ہے؟ جواب میں اس شخص نے کہا کہ اس کی عمر تیس سال ہے۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے تیسرا سوال کیا کہ وہ اس عرصے میں بیمار رہا یا تندرست؟ اس شخص نے عرض کیا کہ وہ اس دوران کبھی بیمار نہیں ہوا۔

اس شخص کا جواب سن کر حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا۔ ”تم تیس سال تک تندرست رہے مگر اس عرصے میں ایک دن بھی شکریہ ادا کرنے کے لئے اپنے سر پر پٹی نہیں باندھی مگر آج ذرا سی دیر کے لئے بیمار ہوئے تو اپنے مالک کی شکایت کرنے کے لئے فوراً سر پر رومال باندھ لیا۔“ آپ کی بات سن کر وہ شخص نہایت شرمندہ ہوا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میں جنگل میں مکہ مکرمہ کے ارادہ سے گیا مجھے سخت پیاس لگی تو میں قبیلہ بنی مخزوم میں چلا گیا میں نے ایک چھوٹی سی حسینہ جمیلہ لڑکی دیکھی وہ گنگنا کے اشعار پڑھ رہی تھی۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہوا حالانکہ وہ بالکل بچی تھی۔ میں نے کہا اے لڑکی تجھے حیا نہیں آتی؟ اس نے کہا چپ رہ اے ذوالنون میں نے رات شراب محبت خوشی کے ساتھ نوش کی ہے اور صبح کے وقت مولا کی محبت میں مخمور اٹھی ہوں میں نے کہا اے لڑکی میں تجھے عقلمند پاتا ہوں مجھے کچھ نصیحت کر کہا اے ذوالنون خاموشی کو لازم پکڑو اور دنیا سے تھوڑی سی روزی پر راضی رہو۔ تو تم جنت میں اس قوم کی زیارت کرو گے جو کبھی نہیں مرتا۔ میں نے کہا تیرے پاس کچھ پانی ہے؟ کہا میں تجھے پانی بتاتی ہوں۔ میں نے سمجھا کہ وہ مجھے پانی کا کنواں یا چشمہ بتائے گی۔ میں نے کہا بتاؤ۔ کہا لوگ قیامت کے دن چار فریق ہو کر پانی پائیں گے۔ ایک گروہ کو ملائکہ

پلائیں گے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے بَیْضَاءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ۔ یعنی وہ شراب سفید ہو گی اور پینے والوں کو لذت بخشے گی۔

اور ایک گروہ کو رضوان داروغہ جنت پلائیں گے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِیْمٍ یعنی اس شراب میں تسنیم کا پانی ملایا جائے گا۔

اور ایک گروہ کو حق جل جلالہ پلائیں گے اور وہ لوگ بندگان خاص ہوں گے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا یعنی حق تعالیٰ ان کو شراب طہور پلائیں گے۔

پس تم دنیا میں کسی پر اپنے مولا کے سوا اپنا راز ظاہر نہ کرو تا کہ آخرت میں حق تعالیٰ تمہیں اپنے ہاتھ سے پلائیں۔

شاید چوتھا گروہ وہ ہوگا جنہیں بچے پلائیں گے چنانچہ حق تعالیٰ جل جلالہ فرماتے ہیں وَیَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ بِاَکْوَابٍ وَّاَبَارِیْقَ وَکَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

روایت ہے ایک بار کچھ اہل علم جو آپ کی شہرت و محبوبیت الٰہی سے حسد رکھتے تھے مجلس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔ ”اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت بخشی ہے۔ ہمیشہ مرد ہی کو نبی یا رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ آج تک کسی عورت کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔“

حضرت رابعہ بصری نے ان لوگوں کی بات سن کر فرمایا۔ ”بے شک یہی اللہ کا نظام ہے مگر ایک بات غور سے سن لو کہ مردوں ہی نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ کسی عورت نے آج تک یہ نہیں کہا کہ میں تمہارا بڑا رب ہوں۔“

حضرت رابعہ بصریؒ کا اشارہ فرعون مصر کی طرف تھا جو خدائی کے بلند بانگ دعوے کیا کرتا تھا۔

روایت ہے کہ حضرت رابعہ بصریؒ شاعری بھی کیا کرتی تھیں۔ آپ کا سارا

کلام کیفیات عشق سے معمور ہے۔ایک مقام پر فرماتی ہیں۔

"اے نفس! تو اپنے اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ اس کی نافرمانی بھی کرتا رہتا ہے۔اس سے بڑھ کر بھی کوئی عجیب بات ہو سکتی ہے۔"

ایک اور مقام پر فرماتی ہیں۔"میں تجھ سے محبت کرتی ہوں۔دو طرح کی محبت۔ایک محبت ہے آرزو اور تمنا کی...... اور دوسری محبت ہے صرف تیری ذات کی۔میری وہ محبت جو آرزو اور تمنا سے لبریز ہے، وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی...... مگر وہ محبت جو صرف تیری ذات سے ہے، اسی محبت کا واسطہ، حجاب کو دور کر دے تاکہ آنکھیں تیرا جلوہ دیکھ سکیں۔"

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔"رابعہ بصریؒ نے اپنے اشعار میں غرض اور آرزو کی جس محبت کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد اللہ کا احسان اور انعام ہے جو وہ اپنے بندوں پر روا رکھتا ہے...... اور جس حب ذات الٰہی کی بات کی ہے، اس سے مراد دیدار خداوندی کی محبت ہے جس کا نظارہ ان کے دل کی آنکھوں نے کیا اور یہی محبت سب سے بہتر اور برتری ہے۔جمال ربوبیت کی لذت جائے خود سب سے بڑی چیز ہے۔اس کے متعلق حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے صالح بندوں کو وہ چیز دیتا ہوں جسے عام آنکھیں دیکھ سکتی ہیں، نہ عام کان سن سکتے ہیں اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزر سکتا ہے۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان ایک شخص کے غلام سیاہ فام تھے وہ شخص آپ کو بیچنے کے لئے بازار لے گیا۔جب کوئی خریدار آتا تھا تو آپ دریافت کرتے تھے کہ تم مجھے خرید کر کیا کرو گے۔جب وہ اپنی کوئی ضرورت بیان کرتا تو آپ فرماتے میری حاجت یہ ہے کہ تم مجھے نہ خریدو۔حتیٰ کہ ایک خریدار نے آپ کے جواب میں یہ کہا کہ میں تمہیں چوکیدار بناؤں گا۔آپ نے فرمایا تو خرید لے۔چنانچہ وہ آپ کو خرید کر اپنے گھر لے گیا۔اس مالک کی تین فاحشہ لڑکیاں تھیں جو

بدکاری کیا کرتی تھیں۔اس کو اتفاقاً اپنی جاگیر کی طرف جانے کی ضرورت ہوئی تو آپ سے کہہ گیا کہ میں نے کھانا پانی اور ضرورت کی سب چیزیں ان کے پاس پہنچا دی ہیں۔جب میں نکل جاؤں تو تو دروازہ بند کر کے باہر بیٹھے رہنا اور میرے واپس آنے تک دروازہ نہ کھولنا۔چنانچہ جب مالک باہر چلا گیا تو آپ نے حکم کی تعمیل کی۔لڑکیوں نے کہا دروازہ کھول دے۔آپ نے انکار کیا۔ان لڑکیوں نے آپ کو مار کر زخمی کیا اور واپس لوٹ گئیں۔آپ خون دھو کر وہیں بیٹھ گئے۔جب مالک آیا تو آپ نے اسے اس واقعہ کی اطلاع نہ کی۔پھر دوسری مرتبہ بعینہٖ یہی واقعہ پیش آیا۔اب بڑی لڑکی نے سوچا کہ یہ غلام حبشی کیسا اچھا آدمی ہے باوجود غلام ہونے کے اللہ کی عبادت میں مجھ سے بہتر ہے میں بھی ضرور توبہ کروں گی چنانچہ اس نے توبہ کی۔پھر چھوٹی نے کہا یہ غلام حبشی اور بڑی لڑکی دونوں مجھ سے زیادہ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں میں بھی ضرور توبہ کروں گی اس نے بھی توبہ کی۔منجھلی لڑکی نے کہا یہ حبشی غلام اور دونوں بہنیں خدا کی اطاعت میں مجھ سے بہتر ہیں میں بھی ضرور توبہ کروں گی۔اس نے بھی توبہ کی۔جب شہر کے بدمعاشوں نے یہ خبر سنی تو کہنے لگے یہ حبشی غلام اور فلاں شخص کی لڑکیاں ہم سے زیادہ خدا پرست ہیں اب ہم بھی توبہ کریں گے۔چنانچہ ان سب نے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی اور شہر میں سب متقی ہو گئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

یہ اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ حضرت رابعہ بصریؒ ہر وقت مغموم اور ملول رہا کرتی تھیں۔شاذونادر ہی ان کی آنکھوں کو کسی نے خشک دیکھا ہوگا، ورنہ کسی آبشار کی طرح بہتی ہی رہتی تھیں۔جب مجلس میں کوئی دوزخ کا ذکر چھیڑ دیتا تو حضرت رابعہ بصریؒ اس کی دہشت سے بے ہوش ہو جاتی تھیں۔ہوش میں آنے کے بعد مسلسل توبہ کرتی رہتی تھیں۔روایت ہے کہ حضرت رابعہ بصریؒ کی سجدہ گاہ ہمیشہ آنسوؤں سے تر رہتی تھی۔

حضرت رابعہ بصریؒ بہت کم گفتگو کیا کرتی تھیں۔ آپ کا بیشتر وقت نماز پڑھنے میں گزرتا تھا۔ اگر کبھی کسی سے کوئی بات کرنی ہوتی تو آیات قرآنی کا سہارا لے کر اپنا مطلب بیان کرتیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کرتی ہیں؟ جواب میں حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا۔

"انسان جو کچھ بولتا رہتا ہے، فرشتے اسے لکھتے رہتے ہیں۔ میں کوشش کرتی ہوں کہ قرآن کی آیتوں کے سوا کچھ نہ بولوں۔ یہ احتیاط اس لئے ہے کہ کہیں میرے منہ سے کوئی غلط بات نہ نکل جائے اور فرشتے اسے تحریر کرلیں۔"

حضرت رابعہ بصریؒ ہمیشہ روتی رہتی تھیں۔ لوگوں نے آپ کی یہ اندوہ گیں حالت دیکھ کر کہا۔

"اللہ نے انسان کو ہنسنے کے لئے منع تو نہیں کیا ہے۔"

اس کے جواب میں حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا۔ "بے شک! اس نے منع تو نہیں فرمایا ہے..... مگر مجھے اس کام کے لئے فرصت ہی نہیں ہے۔"

عقیدت مندوں نے تعجب سے کہا۔ "کیا ہنسنے کے لئے بھی فرصت درکار ہوتی ہے۔؟"

حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا۔ "ہاں! دنیا میں وہی شخص ہنستا ہے جسے اطمینان قلب حاصل ہو اور میں ابھی اس نعمت سے محروم ہوں۔"

جب حاضرین مجلس نے آپ کے اس قول مبارک کی وضاحت چاہی تو حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا۔ "میں نے محبت کے لئے صرف ایک ہی ہستی کا انتخاب کیا ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک۔ میں اس خوف سے روتی رہتی ہوں کہ کہیں میری زندگی بھر کی محنت اکارت نہ چلی جائے اور مرتے وقت مجھ سے کہا جائے کہ تو ہمارے لائق نہیں ہے۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت ابوعامر واعظؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک لونڈی کو دیکھا جو بالکل

ادنیٰ قیمت پر فروخت ہو رہی تھی، میں نے اسے دیکھا تو اس کا پیٹ پیٹھ سے لگا ہوا تھا اور بال بکھرے ہوئے تھے اور رنگ زرد ہو رہا تھا، میں نے رحم کھا کر اس کو خرید اور کہا ہمارے ساتھ بازار چل رمضان المبارک کے لئے کچھ ضروری چیزیں خریدیں گے۔ اس نے کہا اس اللہ کا شکر ہے جس نے میرے لئے سارے مہینے یکساں کر دیئے ہیں اور دنیا کا کوئی شغل مجھے نہیں دیا۔ وہ دن کو روزہ رکھتی تھی اور رات بھر نماز پڑھتی تھی۔ جب عید قریب آئی تو میں نے کہا صبح تو کے ہمارے ساتھ بازار چلو عید کے لئے ضروری سامان خریدیں گے۔ اس نے کہا اے میرے آقا تم تو دنیا میں بہت ہی مشغول ہو۔ پھر اندر جا کر نماز میں مشغول ہوئی اور ایک آیت پڑھتی رہی حتیٰ کہ اس آیت پر پہنچی وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ یعنی اہل دوزخ کو پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔ اس آیت کو بار بار پڑھتی رہی اور ایک چیخ ماری اور دنیا چھوڑ گئی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مشہور کرامات

ایک بار حضرت رابعہ بصریؒ کے یہاں پانچ درویش حاضر ہوئے۔ اتفاق سے وہ کھانے کا وقت تھا۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے اپنی خادمہ کو الگ بلا کر پوچھا "مہمانوں کی تواضع کے لئے گھر میں کچھ کھانے کو ہے۔؟"

خادمہ نے بتایا کہ صرف ایک روٹی موجود ہے۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا کہ ایک روٹی سے کیا ہوگا؟ مہمانوں کے حصے میں ایک ایک ٹکڑا ہی آئے گا۔ یہ کہہ کر آپ درویشوں کے پاس تشریف لے آئیں۔

اس کے بعد ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک سوالی نے در پر صدا دی۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا کہ وہ روٹی اس ضرورت مند کو دیدو جو دروازے کے باہر کھڑا ہے۔ خادمہ نے آپ کے حکم کی بلا تامل تعمیل کی اور حضرت رابعہ بصریؒ مہمانوں کے ساتھ مصروف گفتگو ہو گئیں۔

تھوڑی دیر کے بعد خادمہ حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا۔ "ایک شخص کھانا لے کر آیا ہے۔"

"روٹیاں کتنی ہیں۔" حضرت رابعہ بصریؒ نے خادمہ سے پوچھا۔

خادمہ نے بتایا کہ دو روٹیاں ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اسے واپس کر دو۔ وہ شخص غلطی سے ہمارے گھر آگیا ہے اور وہ کھانا ہمارا نہیں ہے۔" چنانچہ خادمہ نے روٹیاں واپس کر دیں۔

تھوڑی دیر کے بعد خادمہ نے اطلاع دی کہ ایک اور شخص کھانا لے کر آیا ہے۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے روٹیوں کی تعداد پوچھی تو آپ کو بتایا گیا کہ پانچ روٹیاں ہیں۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے جواباً فرمایا۔ "اس بار بھی کھانا لانے والے سے غلطی ہو گئی۔ اس سے کہہ دو کہ وہ کھانا ہمارا نہیں ہے۔"

جب تیسری مرتبہ ایک شخص کھانا لے کر آیا۔ خادمہ نے آپ کو پوچھنے پر بتایا کہ گیارہ روٹیاں ہیں تو حضرت رابعہ بصریؒ نے پُر مسرت لہجے میں فرمایا۔ "ہاں! یہ کھانا ہمارا ہے۔ اسے قبول کر لو۔"

خادمہ نے کھانا لا کر درویش مہمانوں کے سامنے سجا دیا۔ پھر جب درویش کھانا کھا چکے تو ایک درویش نے عرض کیا کہ تین مختلف اشخاص کھانا لے کر آئے۔ دو افراد کو آپ نے واپس کر دیا مگر تیسرے شخص کے لائے ہوئے کھانے کو قبول فرمالیا۔ آخر یہ کیا راز ہے؟

اس کے جواب میں حضرت رابعہ بصریؒ نے درویشوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ "حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ دنیا میں ایک کے بدلے دس اور آخرت میں ستر دوں گا۔ اس اسی حساب کتاب کی بنیاد پر میں نے دو آدمیوں کو واپس لوٹا دیا اور ایک شخص کا کھانا قبول کر لیا۔ میں نے اللہ کی راہ میں سوالی کو ایک روٹی دی تھی اور رزاق عالم سے سودا کیا تھا۔ پھر جب ایک شخص دو روٹیاں اور دوسرا پانچ روٹیاں لے کر آیا تو میں نے جان لیا کہ یہ حساب درست نہیں ہے۔ تیسرے شخص گیارہ روٹیاں لے کر آیا تو میں نے کسی تردد کے بغیر انہیں قبول کر لیا کہ یہ عین حساب کے مطابق تھیں اور دینے والے کی شان رزاقی کو ظاہر کر رہی تھیں۔ دس روٹیاں میری ایک روٹی کے بدلے میں تھیں اور جو روٹی میں نے سوالی کو دی تھی، اللہ

تعالیٰ نے وہ بھی واپس کر دی تھیں۔"

حضرت رابعہ بصریؒ کی صبر و قناعت اور توکل کی شان دیکھ کر تمام درویش حیرت زدہ ہو گئے۔

ایک عجیب و غریب روایت یہ بھی ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو نوجوانی کے عالم میں ایک شخص نے کسی رنڈی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ آپ بہت خوب صورت تھیں۔ اس لئے رنڈی نے آپ کو عمدہ لباس اور زیور پہنا کر بالا خانہ پر بٹھا دیا۔ آپ کا حسن و جمال دیکھ کر اوباش لوگ متوجہ ہونا شروع ہوئے اور رات کے وقت جو بھی شخص رنڈی کی اجازت سے بالا خانہ پر جاتا تو آپ اس سے کہتیں کہ پہلے وضو کرو اور پھر دو رکعت نفل نماز پڑھ لو۔ چنانچہ وہ شخص وضو کر کے نفل نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو جاتا تو آپ اس پر اپنی باطنی توجہ مبذول فرماتیں تو وہ خوف الٰہی سے کانپ اٹھتا اور آپ کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ کر کے چلا جاتا۔ تقریباً ایک برس تک اسی طرح ہوتا تھا۔ اس طرح سینکڑوں کی تعداد میں اوباش قسم کے لوگ تائب ہو کر نیکی کی راہ پر گامزن ہو گئے۔ ایک دن رنڈی نے خیال کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ ایک مرتبہ جو شخص ادھر آتا ہے۔ وہ دوبارہ لوٹ کر ادھر کا رخ نہیں کرتا حالانکہ اس کی خوبصورتی میں کوئی کمی نہیں ہے۔ ایک رات اس نے چھپ کر دیکھا کہ آخر معاملہ کیا ہے؟ جب اس پر انکشاف ہوا تو وہ اللہ کے خوف سے کانپ اٹھی۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے قدموں میں گر پڑی اور کہا "خطا معاف کر دو! آپ کی شان و مرتبہ کا مجھے علم نہ تھا۔ میں آپ کے مقام و مرتبہ کو نہیں جانتی تھی۔ میں آپ کو ابھی اور اسی وقت آزاد کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا اری بے وقوف! تو نے مجھے آزاد کیا کیا، اس جاری شدہ فیض کو یہاں سے بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک مرتبہ آپ نے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کا ارادہ کیا اور

اس مقصد کے لئے ایک خچر پر سامان سفر لادا اور چل پڑیں۔ ایک صحرا کے درمیان میں سے گزر رہی تھیں کہ اچانک خچر مر گیا۔ قافلہ والوں نے کہا کہ آپ کا سامان ہم اٹھا لیتے ہیں آپ ہمارا ساتھ دیں۔ ارشاد فرمایا، تم اپنی راہ لو میں تمہارے بھروسے پر سفر نہیں کر رہی مجھے تو اپنے پروردگار پر بھروسہ اور توکل ہے۔ قافلے والے روانہ ہو گئے اور آپ تنہا رہ گئیں۔ سجدہ میں سر رکھ کر بارگاہ الٰہی میں دعا مانگی۔ اے اللہ! ایک غریب اور مسکین مسافرہ عورت کے ساتھ کیا بادشاہ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں؟ پہلے تو مجھے اپنے گھر کی زیارت کے لئے سفر اختیار کرنے کی ہمت و دعوت دی اور پھر راستے میں لا کر میرے خچر کو چھین لیا اور مجھے تنہا اس صحرا میں چھوڑ دیا۔ ابھی آپ کی دعا مکمل نہیں ہوئی تھی کہ خچر اٹھ کھڑا ہوا۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے اپنا سامان اس پر دوبارہ لادا اور مکہ مکرمہ کی طرف روانگی اختیار کی اور حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ راوی کا کہنا ہے کہ میں نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو دیکھا کہ آپ اسی خچر کو فروخت کر رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اللہ تعالیٰ کی ایک نور کنیز کا واقعہ ایک بزرگ کچھ یوں فرماتے ہیں کہ میں مکہ سے عرفات کو جا رہا تھا مجھ سے ایک لڑکی نے ملاقات کی جو اونی ٹاٹ پہنے اور اونی چادر اوڑھے ہوئے تھی اس کے ہاتھ میں ایک جانماز اور ایک عصا تھا، اس کے چہرے پر طاعت و عبادت کا نور تھا، وہ بہت تیز چال چل رہی تھی اور اللہ اللہ کہتی جاتی تھی۔ میں نے جی میں کہا کہ یہ لڑکی ولایت کی دعویدار معلوم ہوتی ہے اپنے اللہ والی ہونے کا اظہار کر رہی ہے۔ اس نے کہا ویعلم ماتبلون و ماتکتمون یعنی جو بات تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو اللہ تعالیٰ سب کو جانتے ہیں۔

میں نے کہا اے لڑکی میں بالکل تیرے ساتھ مشغول ہوں اس نے کہا میں

بھی تمہارے لئے حاضر ہوں لیکن میرے پیچھے مجھ سے بھی زیادہ حسین عورت آ رہی ہے۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ اس نے فوراً چلا کر کہا۔ اے مدعی اے کذاب! احباب کا احباب کے ساتھ ایسا فعل تو نہیں ہوتا، پہلے تو تو نے خدام رب الارباب سے بدگمانی کی۔ اگر تو اس کے پاس سچ سچ آتا اور اسے اچھی طرح پہچان لیتا تو وہ تجھے اپنے دروازہ پر کھڑا کرتا۔ ہم نے جب تجھے دور سے دیکھا تو ہم نے سمجھا کہ تم عابد ہو جب قریب ہوئے تو ہم نے جانا کہ تم عارف ہو جب ہم سے بات چیت کی تو ہم نے جانا کہ تم عاشق مزاج ہو۔ اگر اس کی عبادت کرنے والا ہوتا تو اسے چھوڑ کر ہماری طرف رجوع نہ کرتا۔ اگر تو ہم پر عاشق ہوتا تو ہمیں چھوڑ کر غیر کی طرف رخ نہ کرتا۔ پھر جلدی سے میرے پاس سے بھاگی اور کہتی جاتی تھی کہ اللہ کے ساتھ سوائے اللہ کے کوئی نہیں ہے یہاں تک کہ میری نظر سے غائب ہو گئی۔

(یہ حکایت امام ابن جوزی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب بحر الدموع میں بھی ذکر کی ہے)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک دن حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اپنے حجرے میں عبادت الٰہی میں مشغول تھیں۔ بے خوابی اور تھکاوٹ کے باعث نیند نے بہت غلبہ کیا۔ آپ کو نیند آ گئی اور سو گئیں۔ رات کا وقت تھا کہ ایک چور حجرے میں داخل ہوا۔ اس نے آپ کی چادر اٹھائی اور باہر کی طرف بھاگنا چاہا لیکن اسے باہر جانے کا راستہ ہی نہ دکھائی دیا۔ آخر مجبور ہو کر اس نے چادر وہیں پر رکھی تو اسے سامنے دروازہ نظر آ گیا۔ دروازہ دیکھ کر اس کے دل میں لالچ نے پھر سر ابھارا اور چادر کھینچ کر باہر کی طرف جانے لگا تو اسے پھر راستہ نہ ملا۔ اس نے کئی مرتبہ اس طرح کیا لیکن جب بھی چادر اٹھا کر جانے کی کوشش کرتا، اسے کوئی راستہ نہ دکھائی دیتا۔ حیرانی کے عالم میں کھڑا تھا کہ حجرے کے ایک گوشے سے آواز آئی کہ حیران

ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اس نے تو اپنے آپ کو ہمارے سپرد کیا ہوا ہے اس کی چادر کی ہم خود حفاظت فرمائیں گے۔ تم تو چور ہو یہاں پر تو ابلیس جیسی طاقت کو ہمت نہیں ہوتی کہ نقصان پہنچا سکے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

روایت بیان کی گئی ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں بازار میں گیا میرے ساتھ ایک حبشی لونڈی تھی میں نے اسے بازار میں ایک جگہ بٹھایا اور کہا کہ میرے آنے تک یہیں رہنا۔ وہ وہاں سے چلی گئی۔ میں جب لوٹ کر آیا تو اسے نہ پایا۔ میں اس پر بہت غصہ ہو کر گھر آ گیا۔ وہ لونڈی میرے پاس آئی اور کہا اے آقا تم مجھ پر جلدی نہ کرو تم نے مجھے ایسی قوم کے پاس بٹھایا جو اللہ کا ذکر نہیں کرتے تھے مجھے ڈر لگا کہ کہیں وہ اللہ کے عذاب سے زمین میں نہ دھنس جائیں اور میں بھی ان کے ساتھ دھنس جاؤں۔ میں نے کہا اس امت سے ان کے نبی کی برکت سے خسف (دھنسنا) اٹھ گیا ہے اس نے کہا اگرچہ خسف مکانی جاتا رہا ہے لیکن خسف قلوب باقی ہے۔ اے وہ شخص! جس کا قلب اور معرفت کا خسف ہو گیا ہے اور وہ ابھی تک اپنی بلا اور کرب سے غافل ہے جلد دوا اور پرہیز میں مشغول ہو جا اور اپنی موت اور فنا سے پہلے اپنا تدارک کر۔ پھر چند اشعار پڑھے۔

هموا بنا نذری الدموع تاسفا
بلاء المعاصی فوق کل بلاء
لعل الهی ان یمن بجمعنا
فقد حال فی سجن الفراق عنائی
فیا مهجتی لاتترک الخزن ساعة
ویامقلتی هذا اوان بکائی

ترجمہ:۔ (۱) ہمارے پاس آجاؤ تاکہ افسوس کے ساتھ آنسو بہائیں۔ گناہ کی

مصیبت ہر مصیبت سے بڑی ہے۔

2- شاید کہ حق تعالیٰ ہمیں اپنے کرم سے جمع کرے کیونکہ میں جدائی کی قید میں مدت دراز سے غمگین ہوں۔

3- اے میری جان ایک لحظہ بھی غم مت چھوڑ اور اے میری آنکھ یہی رونے کا وقت ہے رو لے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک بزرگ فرماتے ہیں بصرہ میں ذکوان نامی سردار تھے۔ جب ان کی وفات ہوئی تو بصرہ کے سب لوگ ان کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ جب لوگ ان کے دفن سے فارغ ہو کر لوٹے تو میں ایک قبر کے پاس سو گیا۔ ناگاہ ایک فرشتہ آسمان سے اترا اور پکارا اے قبروں والو! اٹھو اپنا اجر لے لو۔ چنانچہ قبریں پھٹ گئیں اور سب کے سب قبروں والے نکل کھڑے ہوئے اور تھوڑی دیر تک سب غائب رہے۔ پھر جب واپس آئے تو ذکوان بھی ان کے ہمراہ تھے اور ان پر دو حلے زر سرخ کے جواہر اور موتی سے جڑے ہوئے تھے اور ان کے آگے آگے چند غلام تھے جو انہیں قبر تک پہنچا رہے تھے اور ایک آواز دیتا تھا کہ یہ بندہ اہل تقویٰ میں سے تھا۔ ایک نگاہ کی وجہ سے اس پر تکلیف اور امتحان نازل ہوا۔ اس کے متعلق حکم الٰہی کی تعمیل کرو۔ چنانچہ وہ جہنم کے قریب ہوا اور اس میں سے ایک زبان یا ایک اژدھا نکلا اور اس کے منہ پر کاٹ لیا اور وہ جگہ سیاہ ہو گئی۔ آواز آئی کہ اے ذکوان تیرا کوئی کام تیرے مولیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ اس نگاہ کا بدلہ ہے اگر اور زیادہ کرتا تو ہم بھی اور زیادہ کرتے۔ اس حالت میں ایک شخص قبر سے سر نکالے دکھائی دیا اور اس نے ان لوگوں سے چلا کر کہا تمہارا کیا ارادہ ہے۔ واللہ مجھے مرے ہوئے نوے سال ہوئے۔ اب تک موت کی تلخی میرے حلق سے نہیں گئی۔ اللہ سے دعا کرو کہ میں جیسا تھا مجھے ویسا ہی کر دے۔ اس کی آنکھوں کے درمیان سجدے کا اثر تھا۔ بعضوں کے اشعار ہیں۔

ترجمہ: کیا تو نہیں جانتا کہ تیرا دن قریب آگیا۔ کیا تو نہیں جانتا کہ تیری عمر ختم ہو جائے گی۔

2- تو کس بات پر ہنستا ہے تیری موت تو قریب آگئی ہے اور کس بھروسہ پر سوتا ہے تیری خوابگاہ قبر ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک بزرگ فرماتے ہیں میرے دل میں آیا کہ میں حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملوں اور دیکھوں کہ وہ اپنے دعوے میں سچی ہیں یا جھوٹی۔ میں اس خیال میں تھا کہ ناگاہ بہت سے فقراء جن کے چہرے چاندی کی طرح چمکتے تھے سامنے آئے ان سے مشک کی خوشبو آتی تھی، انہوں نے مجھے سلام کیا اور میں نے انہیں سلام کیا میں نے پوچھا تم کہاں سے آرہے ہو؟ انہوں نے کہا جناب۔ ہمارا عجیب قصہ ہے۔ میں نے کہا وہ کیا ہے کہا ہم لوگ مالدار تاجروں کی اولاد ہیں۔ ہم مصر میں حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھے میں نے کہا تم ان کے پاس کیونکر پہنچے۔ کہنے لگے کہ ہم اپنے شہر میں کھانے پینے میں مشغول تھے۔ ہم نے رابعہ عدویہ کی خوبصورتی اور خوش آوازی کا ذکر سنا تھا تو ہم نے کہا ضرور ان کے پاس جا کر ان کا گانا سننا چاہئے اور ان کی خوبصورتی دیکھنی چاہئے چنانچہ ہم اپنے شہر سے نکل کر ان کے شہر میں پہنچے۔ لوگوں نے ہمیں ان کا گھر بتایا اور کہا اس نے گانے وغیرہ سے توبہ کر لی ہے۔ ہم میں سے ایک نے کہا اگرچہ ہم اس کے گانے سننے اور خوش آوازی سے محروم ہو گئے مگر کسی طرح اس کی صورت اور حسن تو دیکھ ہی لینا چاہئے۔ چنانچہ ہم نے اپنی شکل تبدیل کی اور اپنا لباس بدل کر فقیرانہ لباس پہنا اور ان کے دروازے پر جا کر دستک دی وہ باہر نکلیں اور ہمارے پاؤں میں لوٹنے لگیں اور کہنے لگیں کہ تم نے مجھے اپنی [illegible] سے سعادت مند بنا دیا۔ ہم نے کہا کیا سعادت ہوئی۔ فرمایا ہمارے یہاں ایک عورت چالیس سال سے اندھی تھی جب تم نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اس نے

کہا اے اللہ اے میرے مالک اس قوم کے طفیل سے جو دروازہ کھٹکھٹا رہے ہیں میری آنکھیں پھیر دے۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھیں پھیر دیں۔

اس وقت ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کہا دیکھتے ہی اللہ کے احسان کو اس نے کس طرح سے ہماری پردہ پوشی فرمائی ہے اور وہ شخص جس نے لباس تبدیل کرنے کی رائے دی تھی کہنے لگا کہ میں تو یہ لباس نہیں اتاروں گا اور حضرت رابعہ کے ہاتھ پر توبہ کروں گا۔ ہم نے بھی کہا کہ جب ہم نے گناہ میں تیری موافق کی تھی تو اب توبہ اور اطاعت میں بھی تیری موافقت کریں گے۔

ہم سب نے ان کے ہاتھ پر توبہ کی اور اپنا سارا مال چھوڑ کر جیسا کہ تم دیکھتے ہو فقیر بن گئے۔ حضرت بشیر ابن حارث فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا فرمایا اے بشیر! تم جانتے ہو تمہیں اللہ نے اپنے ہم عصروں پر برتری کیوں عطا فرمائی۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے معلوم نہیں۔ فرمایا تم کو میری سنت کی اتباع اور صالحین کی خدمت اور بھلائیوں کی نصیحت اور میرے اصحاب و اہل بیت کی محبت نے ابرار کے مرتبہ پر پہنچایا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت سہیل بن ابی عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا میں کوہ قاف پر چڑھا تو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی پڑی دیکھی حضرت بایزید رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کوہ قاف پر پہنچے تھے۔ فرمایا کوہ قاف تو بہت قریب ہے البتہ جبل کاف جبل صاد جبل عین یہ وہ جبال ہیں جو زمین کو گھیرے ہوئے ہیں اور ہر زمین کو ایک ایک پہاڑ گھیرے ہوئے ہے اور کوہ قاف اس زمین کو بمنزلہ دیوار کے گھیرے ہوئے ہے اور یہ زمین سب سے چھوٹی ہے اور کوہ قاف سب سے چھوٹا پہاڑ ہے اور یہ سبز زمرد کا پہاڑ ہے کہتے ہیں کہ آسمان کی سبزی اسی کے عکس کی وجہ سے ہے اور روایت ہے کہ ساری زمین اولیاء اللہ کے واسطے ایک قدم ہے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں طواف کر رہا تھا کہ اچانک ایک نور چمکا اور آسمان تک جا پہنچا اس سے میں حیران ہوا اور طواف کر کے کعبہ سے تکیہ لگائے بیٹھا رہا اور اس نور میں سوچتا اور غور کرتا رہا تو میں نے ایک خوب صورت غمگین آواز سنی، میں آواز کے پیچھے گیا تو میں نے ایک لڑکی کو دیکھا جو کعبہ کے پردہ سے لگی ہوئی تھی اور یہ اشعار پڑھ رہی تھی۔

(ترجمہ) اے میرے حبیب تو خوب جانتا ہے کہ میرا حبیب کون ہے۔

جسم کی لاغری اور آنسو دونوں میرا راز ظاہر کرتے ہیں۔ میں نے محبت کو چھپایا۔

حتیٰ کہ پوشیدگی کی وجہ سے میرا سینہ تنگ ہو گیا۔

اس کی باتیں سن کر میں بھی رونے لگا۔

پھر اس نے کہا اے الٰہی میرے مولا! تیری اس محبت کے صدقے جو تجھے مجھ سے ہے مجھے بخش دے۔

میں نے کہا اے لڑکی کیا یہ کافی نہ تھا کہ تم یہ کہتیں کہ میری اس محبت کے طفیل جو مجھے تیرے ساتھ ہے اور تم کہتی ہو کہ تیری محبت کے صدقہ جو مجھ پر ہے، تمہیں کہاں سے معلوم ہوا کہ اس کو تمہارے ساتھ محبت ہے؟ کہا اے ذوالنون میرے پاس سے ہٹ جاؤ۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے اور اللہ کی محبت ان کے ساتھ ان کی محبت سے پہلی ہوتی ہے۔ کیا تمہیں اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا فرمان یاد نہیں ہے۔

فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ

یعنی اللہ تعالیٰ عنقریب ایک ایسی قوم لائیں گے جن سے اللہ تعالیٰ محبت کریں گے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے۔

میں نے پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ کہ میں ذوالنون ہوں کہا اے بیہودہ! جب دل نے میدان اسرار میں جولانی کی تو میں نے تجھے اللہ کی معرفت

سے پہچان لیا۔

میں نے کہا میں تم کو ضعیف البدن اور لاغر جسم دیکھتا ہوں تمہیں کچھ مرض تو نہیں۔ اس نے چند شعر پڑھے۔

محب الله في الدنيا عليل
تطاول سقمه فدواه داء
كذا من كان للبارى محبا
يهيم بذكره حتى يراه

(ترجمہ) اللہ کا دوست دنیا میں بیمار ہی رہتا ہے، اس کی بیماری بڑھتی جاتی ہے اور دوا بھی بیماری ہو جاتی ہے۔

اسی طرح جو اللہ کا محب ہوتا ہے وہ اللہ کے ذکر میں سرگرداں رہتا ہے یہاں تک کہ اسے دیکھ لے۔

پھر کہا اپنے پیچھے دیکھ کون ہے؟ میں نے پیچھے پھر کر دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ پھر میں نے اس کی طرف نظر پھیری تو اسے بھی نہ دیکھا کہ وہ کہاں گئی اور میں ہر وقت اس کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں تو اس کی برکت سے قبولیت اور اجابت نظر آتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

بنی اسرائیل میں ایک عورت بادشاہ کی بیٹی تھی اور بڑی عبادت گزار تھی۔ ایک شہزادہ نے اس سے منگنی کی درخواست کی۔ اس سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی ایک لونڈی سے کہا کہ میرے لئے ایک عابد زاہد نیک آدمی تلاش کر جو فقیر ہو۔ وہ لونڈی گئی اور ایک فقیر عابد زاہد ملا اسے لے آئی۔ اس سے پوچھا کہ اگر تم مجھ سے نکاح کرنا چاہو تو میں تمہارے ساتھ قاضی کے یہاں چلوں تاکہ وہ ہمارا نکاح کر دے۔ اس فقیر نے منظور کر لیا۔ اور نکاح ہو گیا۔ پھر اس سے کہا مجھے اپنے گھر لے چل۔ اس نے کہا واللہ اس کمبل کے سوا کوئی چیز میری ملکیت میں نہیں اسی کو رات کے وقت اوڑھتا ہوں اور دن میں پہنتا ہوں۔ اس نے کہا

میں اس حالت پر تیرے ساتھ راضی ہوں۔ چنانچہ وہ فقیر اس کو اپنے گھر لے گیا۔ وہ دن بھر محنت کرتا تھا اور رات کو اتنا پیدا کر لاتا تھا جس سے افطار ہو جائے۔ وہ دن کو نہیں کھاتی تھیں بلکہ روزہ رکھتی تھیں جب ان کے پاس کوئی چیز لاتے تو افطار کرتی تھیں اور ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتی تھیں۔ اور کہتی تھیں اب میں عبادت کے واسطے فارغ ہوئی۔ ایک دن فقیر کو کوئی چیز نہ ملی جو ان کے واسطے لے جاتے۔ یہ امر ان پر شاق گزرا اور بہت گھبرائے اور جی میں کہنے لگے کہ میری بیوی روزہ دار گھر میں بیٹھی انتظار کر رہی ہے کہ میں کچھ لے جاؤں گا جس سے وہ افطار کرے گی۔ یہ سوچ کر وضو کیا اور نماز پڑھ کے دعا مانگی اے اللہ آپ جانتے ہیں کہ میں دنیا کے واسطے کچھ طلب نہیں کرتا صرف اپنی نیک بیوی کی رضامندی کے واسطے مانگتا ہوں اے اللہ تو مجھے اپنے پاس سے رزق عطا فرما تو ہی سب سے اچھا رزاق ہے۔ اسی وقت آسمان سے ایک موتی گر پڑا۔ اسے لے کر اپنی بیوی کے پاس گئے جب انہوں نے اسے دیکھا تو ڈر گئیں اور کہا یہ موتی تم کہاں سے لائے ہو اس جیسا تو میں نے کبھی اپنے گھرانے میں بھی نہیں دیکھا۔ کہا آج میں نے رزق کے لئے محنت کی بہت کوشش کی لیکن کہیں سے نہ ملا تو میں نے کہا میری بیوی گھر میں بیٹھی انتظار کر رہی ہے کہ میں کچھ لے جاؤں جس سے وہ افطار کرے اور وہ شہزادی ہے میں اس کے پاس خالی ہاتھ نہیں جا سکتا میں نے اللہ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ موتی عطا فرمایا اور آسمان سے نازل کیا۔ کہا اس جگہ جاؤ جہاں تم نے اللہ سے دعا کی تھی اور اس سے گریہ وزاری سے دعا کرو اور کہو کہ اے اللہ میرے مالک اے میرے مولا اگر یہ شے تو نے دنیا میں ہماری روزی بنا کر اتاری ہے تو اس میں ہمیں برکت دے اور اگر ہماری آخرت کے ذخیرہ سے عطا فرمائی ہے تو اسے اٹھا لے۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا تو موتی اٹھا لیا گیا فقیر نے واپس آکر اسے اٹھا لئے جانے کا قصہ بیان کیا تو کہا شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہمیں وہ ذخیرہ دکھا دیا جو ہمارے واسطے آخرت میں جمع کیا گیا ہے۔ پھر کہا میں اس دنیائے فانی کی کسی شے پر قادر ہونے سے پرواہ نہیں کرتی اور اللہ کا شکر ادا کرنے لگی۔

معاصرین سیدہ رابعہ بصریؒ

خواجہ حسن بصریؒ

21 ہجری مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ بصرے میں پرورش پائی۔ اسی مناسبت سے بصری کہلائے۔ آپ کے والد محترم کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعضوں نے یسار لکھا ہے۔ لیکن موسیٰ بن راعی بن خواجہ اویس قرنی بہت مشہور نام ہے۔

یہ بات تمام تذکرہ نویسوں نے بالاتفاق لکھی ہے کہ جب خواجہ صاحب پیدا ہوئے تو آپ کے والد محترم جناب موسیٰ بن راعی انہیں دعائے خیر و برکت کے لئے جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اٹھا لائے۔ جناب فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا تو فرمایا واللہ کتنی پیاری صورت ہے، ماشاء اللہ بڑا ہی خوبرو اور حسین و جمیل بچہ ہے۔ اس کا نام حسن رکھو چنانچہ جناب خواجہ نے اسی نام سے شہرت دوام پائی۔

دارا شکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں جناب حسن کی کنیت ابو سعید بیان کی ہے اور لکھا ہے کہ جواہر فروشی کے سبب آپ حسن لولوئی کے نام سے بھی یاد کئے جاتے ہیں لیکن واضح رہے خواجہ حسن بصری کے علاوہ اس نام سے ایک بزرگ

204ھ میں جناب امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد بھی ہوئے ہیں جو اپنے وقت کے بڑے ہی باکمال امام تھے ان کے نام کی وجہ تسمیہ بھی وہی ہے جو حضرت خواجہ کے نام کی ہے۔

خواجہ حسن بصری کی والدہ محترمہ خیرہ حضرت ام المومنین سلمہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ خواجہ کو بہت پیار کرتی تھیں۔ فرید الدین عطار تذکرۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ ام سلمہ کے یہاں تشریف لائے۔ آپ خواجہ کو گود میں لئے بیٹھی تھیں حضور ﷺ نے استفسار فرمایا۔ آپ نے یہ کہہ کر خیرہ کا بچہ ہے حضور کی گود میں ڈال دیا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے گیارہ ہجری میں رحلت فرمائی۔ خواجہ حسن بصری 21 ہجری میں پیدا ہوئے اگر یہ اشارہ طریقہ اویسیہ کی طرف ہے تو مولف کو چاہیے تھا کہ وضاحت کرتا۔

بیعت

یوں تو جناب خواجہ نے بڑے بڑے صحابیوں کی آنکھیں دیکھی ہیں اور ان کی صحبت سے فیض اٹھایا ہے۔ لیکن علوم ظاہری و باطنی آپ نے بالخصوص حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی سے حاصل کئے بعضوں نے لکھا ہے کہ آپ جناب امام حسن کے مرید و شاگرد تھے ممکن ہے آپ دونوں ہی کے مرید و شاگرد ہوں۔ جن لوگوں نے یہ تسلیم نہیں کیا کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور آپ کو ان سے علوم باطنی تلقین ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جناب علی کی شہادت کے وقت آپ صرف 19 برس کے تھے۔

مگر یہ دلیل درست نہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ اکثر اولیائے کرام اور آئمہ دین نے اس سے بھی کم عمر میں جملہ علوم دین میں تکمیل پائی ہے لہٰذا یہ عین ممکن ہے کہ ایک 19 برس کا نوجوان تلقین علم و آداب میں بارگاہ سر تقوی سے فیض بہرہ ور ہوا ہے۔

صاحب تحفۃ الابرار نے لکھا کہ حضرت حسن بصری چودہ برس کی عمر تک مدینہ منورہ میں رہے اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی چودہ برس تک مدینہ منورہ ہی میں مقیم رہے حتیٰ کہ جناب عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر جب لوگوں نے آپ سے خلافت قبول کرنے پر بہت ہی اصرار کیا اور آپ خلیفہ بنائے گئے۔ اس وقت بھی آپ مدینہ ہی میں رہتے تھے بلکہ خلیفہ ہو جانے کے بعد بھی چند مہینوں تک رہے۔ پس یہ بیان اس بات کے لئے کافی ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مرید اور شاگرد تھے۔

علاوہ ازیں ایک قوی دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دوران قیام بصرہ میں آپ نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے تبرکا طہارت سکھا دیجئے چنانچہ جناب علی کرم اللہ وجہہ نے ایک طشت منگوا وضو کرنا سکھایا بصرے میں وہ مقام جہاں یہ واقعہ ہوا آج تک باب الطشت کے نام سے مشہور ہے۔

پس ان حالات کی روشنی میں یہ بات قطعی واضح ہے کہ خواجہ حسن بصری کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے شرف تلمذ کرنے اور بیعت کی سعادت حاصل کرنے کا ضرور موقع ملا ہے۔

اس کے علاوہ ایک شہادت یوں بھی ملتی ہے کہ بصرہ کے دورہ پر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرے کی مسجد میں گئے تو اس وقت آپ نے تمام واعظین کرام کو وعظ و تلقین سے روک دیا تھا لیکن جناب خواجہ حسن بصری کو جو اس وقت وعظ و تلقین فرما رہے تھے نہیں روکا اس واقعے سے جناب خواجہ کی عظمت شان کا بھی ایک اندازہ ہوتا ہے۔

مسلک

لیکن خواجہ حسن بصری نے دنیا اور دنیا والوں کے خلاف جو مہم شروع کی تھی اور لوگوں کو دنیا کی بجائے آخرت کی فکر کرنے پر متوجہ کیا تھا اس کا مطلب

ہرگز یہ نہیں تھا کہ وہ لوگوں کو رہبانیت کی طرف بلاتے اور تارک الدنیا ہونے کی تعلیم دیتے تھے بلکہ اس کا مقصد فقط یہ تھا کہ مسلمانوں میں جو اقتدار کی جنگ لڑی جا رہی تھی اور استحکام سلطنت کے لئے ہر طرف خون خرابہ ہو رہا تھا وہ رک جائے اور ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ لوگ دین کو دنیا کے لئے داؤ پر لگانے کی بجائے دنیا کو دین پر لگا دیں۔

دراصل زہد و عبادت۔ گوشہ تنہائی اور اللہ کے خوف سے روتے رہنے کی جو بنیاد خواجہ حسن بصری نے رکھی وہ آپ کے زمانے کے سیاسی احوال کا نتیجہ ہے۔ ایک اعتراض تجرد پسند کرنے کا جناب خواجہ پر ہو سکتا ہے مگر اس کا سبب بھی وہی احوال ہیں جو اس زمانے کے مسلمانوں کو درپیش تھے اور خواجہ کو دن رات یہی فکر تھی کہ ان کی بد احوالی کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے۔ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے غرض آپ کو یہی خیال رہتا اور یہ آپ کی طبیعت پر اتنا حاوی ہو چکا تھا کہ تمام عمر آپ کو کسی نے کبھی ہنستے نہیں دیکھا۔

فضیلت علمی

امام زہریؒ (ولادت 51ھ وفات 124ھ) جو علام تابعین سے ہیں۔ متعدد اصحاب رسول سے تعلیم پائی۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس زمانے کے عالم صرف چار ہی ہیں۔ مدینہ میں ابن المسیبؒ شام میں مکحولؒ کوفہ میں شعبیؒ یہ علامہ شعبی وہی بزرگ ہیں جنہوں نے اول اول جناب امام اعظم ابو حنیفہ کو حصول علم کی ترغیب دی۔ بصرے میں جناب امام المتصوفین والعارفین خواجہ حسن بصریؒ۔

تمام سیرت نگاروں نے یہ بات بالاتفاق لکھی ہے کہ خواجہ حسن بصری اگرچہ نسلاً حبشی تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت بڑا فصیح اللسان بنایا تھا حجاج بن یوسف آپ کی فصاحت کے مقابلے میں خود کو ہیچ سمجھتا تھا۔

علامہ ذھبی نے اسلام کے دوسرے اور تیسرے دور میں جن حاملین حدیث کا ذکر کیا ہے۔ ان کی تصنیفات و ملفوظات کے مستقل ترجمے لکھے اور انھیں ترتیب دیا ہے۔ ان میں جناب خواجہ سرفہرست ہیں۔ اس کے علاوہ ذھبی نے خواجہ کے مفصل سوانح بھی تحریر کئے ہیں۔

ڈاکٹر نکلسن نے لٹریری ہسٹری آف دی عرب میں لکھا ہے کہ اسلام کے دور اوّل میں جن اولیائے کرام پر خوف الٰہی طاری رہتا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی جباریت و قہاریت سے لرزہ براندام رہنا ان کی پہچان قرار پا گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے خوف سے گریہ وزاری کرنا گناہوں کے خیال سے مضطرب الحال رہنا جن اولیائے کرام کے بارے میں خاص زور دے کر بیان کیا جاتا ہے۔ ان میں جناب خواجہ حسن بصری امام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

معرکہ کربلا اور اس کے بعد بھی دنیا کو مقصود بالذات سمجھنے والوں نے قتل و غارت گری کا جو بازار گرم کیا جناب خواجہ اسے ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور نہ یہ طریقہ ہی موثر ہو سکتا تھا۔ جناب خواجہ نے مسلمانوں کے ذہن کا دنیا سے رخ پھیرنے کے لئے دین میں کمال زہد و اطاعت کی بنیاد رکھی۔ الفت دنیا کی سخت مذمت کی اور یہاں تک نفرت کی کہ دنیا کی محبت کو ایمان کی کمزوری قرار دیا۔

جناب خواجہ حسن بصری کا زمانہ ولایت دو اعتبار سے مشہور ہے ایک تو یہ کہ آپ کے وقت میں معتزلہ کا گروہ پیدا ہوا۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ آپ کے زمانے کے زاہدوں، عابدوں اور گوشہ نشینوں نے صوفی کا لقب پایا اور آگے چل کر اس سلسلے کے جو دوسرے بزرگ پیدا ہوئے انھوں نے تصوف کے مسلک کی باقاعدہ تنظیم کی اور اس کے فروغ و اشاعت کے لئے تصنیف اور تالیف کا آغاز کیا۔

ناپاک آنسو

ایک روز آپ اپنی عبادت گاہ کے بالاخانے پر بیٹھے رو رہے تھے اور کثرت گریہ سے آنسو رخسار پر بہہ رہے تھے۔ ایک شخص نیچے سے گزرا اس کے اوپر چند آنسو گر گئے اس نے اوپر دیکھ کر پوچھا اے شخص یہ قطرے پاک تھے کہ ناپاک۔ آپ نے فرمایا اے بھائی یہ مجھ گنہگار کے ناپاک آنسو ہیں۔ انھیں دھو ڈال۔

مسلمانی کی تعریف

دارا شکوہ نے لکھا ہے کہ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ مسلمانی کی تعریف کیا ہے۔ فرمایا "مسلمانی در کتاب و مسلمانان در گور" یعنی مسلمانی کتاب میں ہے اور مسلمان قبر میں ہیں۔ پھر آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ یا حضرت ہمارے دل سوئے ہوئے ہیں آپ کے ارشادات اور پند و نصائح کا ان پر اثر کیوں نہیں ہوتا ہمیں اس کے لئے کیا علاج کرنا چاہئے۔ فرمایا اگر دل سوئے ہوئے ہی ہوتے تو کوئی بات نہیں تھی انھیں جھنجوڑ کر جگایا جا سکتا تھا۔ رونا تو یہ ہے کہ دل مر چکے ہیں اب انھیں کتنا ہی جھنجوڑو جگانے کی کوشش کرو بیدار نہیں ہو سکتے۔

جناب خواجہ نے مسلمانوں کو دنیا اور صرف دنیا ہی کے بن کے رہ جانے پر بڑی سختی سے روکا اور خلاف پیمبر چلنے سے منع کیا۔ آپ کی نظر قرآن حکیم اور حدیث نبوی کی تفصیل پر تھی اس لئے آخرت کی زندگی آپ کے نزدیک گویا آنکھوں دیکھی چیز تھی دنیا کی بہتات اور چاہت نے مسلمانوں کو دین سے غافل بنا دیا تھا اور وہ آخرت کی زندگی کو بھولتے جا رہے تھے۔ آپ نے انھیں جھنجوڑ کر بیدار کیا۔ انھیں چونکایا اور بتلا دیا کہ تم صرف زبان ہی سے اقرار کر لینے پر مسلمان نہیں بن سکتے مسلمان اور کامل مسلمان

بننے کے لئے سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ جن حقائق کا تم دل سے اقرار کرتے ہو ان پر دل کے ساتھ پورا پورا عمل بھی کرو۔ تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ جناب خواجہ کا بیان درد و کرب اور سوز و گداز سے پر ہوتا یہی سبب تھا کہ جو بات آپ کے منہ سے نکلتی لوگوں کے دلوں میں تیر کی طرح اترتی چلی جاتی آپ کی زبان مبارک میں غضب کا اثر تھا جو ایک مرتبہ کہہ دیتے وہ پتھر کی لکیر ہو جاتا۔ یہ سبب ہے کہ آپ کو ایک خلق خدا امام زمانہ صاحب کرامت اور مستجاب الوقت ولی تسلیم کرتی ہے۔

جائے عبرت

جنازے کے ساتھ چلنا آپ کے نزدیک فرض اولیٰ تھا۔ ایک مرتبہ کسی کے جنازے میں شریک تھے جب لوگ اسے قبر میں اتار چکے اور گھر کو واپس آنے لگے تو آپ ایک جگہ پر بیٹھ گئے اور لوگوں سے فرمایا اے دنیا کے پرستارو مال و دولت کے متوالو۔ دیکھ لیا تم نے آدمی کا انجام یہ جگہ دنیا کا آخری مقام اور آخرت کی پہلی منزل ہے پھر کیا ناز اور کیا غرور اس دنیا پر جس کا انجام بالآخر یہ ہے سن لو کہ یہ دنیا جائے عبرت ہے۔

طلب آخرت

ایک مرتبہ آپ نے خادم سے فرمایا کہ افطاری کے لئے بازار سے روٹی اور مچھلی کے کباب لے آؤ۔ خادم نے تعمیل کی جب افطاری کا وقت آیا تو آپ نے خادم سے فرمایا۔ یہ کباب اور مزے کا کھانا مجھ فقیر سے اس کا کیا تعلق؟ اس نے عرض کیا کہ آپ ہی نے تو فرمایا تھا آپ نے یہ سن کر سر جھکا لیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی بار الٰہا میں نے دنیا کی نعمتوں پر دھیان دیا مجھ سے بھول ہوئی میرا نام کہیں درویشوں کی فہرست سے مٹا نہ دینا۔

انکسار

ایک مرتبہ دریائے دجلہ کے کنارے ٹہل رہے تھے کہ وہاں ایک حبشی کو دیکھا کہ ایک عورت کو پہلو میں لئے بیٹھا ہے اور اس کے قریب ہی شراب کی ایک بوتل پڑی ہے وہ خود بھی پی رہا ہے اور عورت کو بھی پلا رہا ہے۔ آپ کے دل میں خیال گزرا کہ یہ شخص اگرچہ شراب پی رہا ہے تاہم مجھ سے ہر حال میں بہتر ہے پھر سوچا کہ بہتر کیونکر ہو سکتا ہے یہ تو شراب پی رہا ہے اتنے میں آپ نے دیکھا کہ مال و اسباب سے لدی ہوئی ایک کشتی آ رہی ہے جب وہ کشتی حبشی کے قریب آئی تو ڈوب گئی جس میں مال و اسباب کے علاوہ سات آدمی بھی تھے جو غوطے کھانے لگے حبشی فوراً دریا میں کود پڑا اور انہیں باہر نکال لایا۔ یہ دیکھ کر آپ نے اس خیال سے توبہ کر لی اور دریا میں ڈوبے ہوئے لوگوں کی طرح خود بھی حبشی کی اس جرات کے طفیل دریائے خود بینی سے نکل آئے اور پھر آپ نے تمام عمر خود کو رذیل سے رذیل اور گنہگار سے گنہگار آدمی سے بھی کبھی اونچا نہیں سمجھا بلکہ خود کو اس سے کمتر ہی خیال کرتے ہیں۔

خدا کی محبت

ایک مرتبہ ایک خوبصورت عورت ننگے سر، ہاتھ منہ کھولے غصہ میں بھری ہوئی آپ کے پاس اپنے شوہر کی شکایت لے کر آئی۔ آپ نے فرمایا! اے نیک بخت پہلے اپنے سر منہ کو ڈھانپ لے پھر شکایت بھی کر لینا عورت شرمندہ ہوئی اور کہا معاف کیجئے میں اپنے شوہر کی محبت میں از خود رفتہ ہو گئی کہ مجھے اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہ رہا۔ آپ نے اس کی یہ باتیں سن کر دل میں کہا اے حسن اگر تو بھی اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی دوستی میں ایسی ہی محویت سے کام لیتا تو تجھے معلوم ہی نہ ہوتا کہ اس عورت کے سر پر کپڑا ہے یا نہیں!

حق گوئی و بے باکی

ایک روز آپ وعظ کہہ رہے تھے۔ اتفاقاً حجاج بن یوسف شمشیر برہنہ لئے چند سپاہیوں کے ساتھ ادھر آ نکلا۔ ایک شخص اس مجلس میں تھا۔ اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ آج حسن بصری کا امتحان کرنا چاہئے یعنی دیکھنا چاہئے کہ حضرت حسن حجاج کے سامنے بھی وعظ میں مشغول رہتے ہیں یا اس کی تعظیم کے لئے وعظ سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ حجاج آپ کے قریب آیا اور چاہا کہ آپ اس کی طرف متوجہ ہوں اور اس کی تعظیم کیلئے کھڑے ہوں لیکن آپ نے حجاج کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور اسی طرح وعظ فرماتے رہے تب اس شخص نے اپنے دل میں کہا کہ حسن واقعی حسن ہیں جب آپ وعظ کہہ چکے تو حجاج آپ کے پاس گیا اور مصافحہ کر کے لوگوں سے کہنے لگا۔ اے لوگو اگر تم کوئی مرد دیکھنا چاہو تو حسن کو دیکھ لو۔

طریقہ ریاضت

کہتے ہیں آپ کے ایک مرید کی یہ حالت تھی کہ جب قرآن حکیم کی کوئی آیت سنتا تو بیہوش ہو جاتا آپ نے فرمایا کہ تم جو کام کرتے ہو اس میں اس بات کا خیال ضروری ہونا چاہئے کہ آواز ظاہر نہ ہونے پائے کیونکہ آواز کے ظاہر ہونے سے ریاکاری معلوم ہوتی ہے۔ مکر وریا سے انسان ہلاکت میں پڑ جاتا ہے اور جب انسان پر یہ حالت طاری نہ ہو اور وہ یہ حالت ارادہ کر کے بنائے تو اسے وعظ و نصیحت سے مطلق فائدہ نہیں پہنچتا۔

توکل

ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز نے آپ کو ایک خط لکھا جس میں درخواست کی کہ آپ مجھے کوئی ایسی نصیحت فرمائیں جس سے مجھے ہر کام میں مدد ملے آپ نے جواب میں لکھا کہ اگر خدا تمہارا مددگار ہے تو چاہئے تمہیں کہ بالکل بے

خوف رہو اور اگر وہ مددگار نہیں تو چاہئے تمہیں کہ کسی سے امید نہ رکھو۔

اعتراض سے علیحدگی

ایک شخص کے بارے میں لوگوں نے شکایت کی کہ وہ نماز باجماعت میں شامل نہیں ہوتا اور اس نے لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا ہے آپ اس کے پاس گئے اور فرمایا اے شخص تجھے ایسا کونسا ضروری کام آپڑا جو تجھے نماز باجماعت میں شریک ہونے اور لوگوں سے ملنے جلنے میں باز رکھتا ہے۔ اس نے عرض کیا۔ میری کوئی سانس اور انسانیت کا کوئی لمحہ معصیت اور گناہ سے خالی نہیں اس لئے میں خدا کی بارگاہ میں گریہ زاری میں معروف رہتا ہوں آپ نے فرمایا اے شخص تو مجھ سے بہتر ہے اور یہ کہہ کر واپس چلے آئے۔

مسلمانوں کی حالت

ایک روز آپ نے اپنے دوستوں اور مریدوں سے کہا کہ تم لوگ صحابہ کی مانند ہو سب لوگ خوش ہوئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم سیرت و کردار کے لحاظ سے ان کے مثل ہو بلکہ یہ کہ تمہاری صورت ان سے ملتی جلتی ہے۔ صحابہ کی یہ حالت تھی کہ تم اگر ان سے ملتے تو ان کو دیوانہ سمجھتے اور اگر صحابہ کرام تمہاری حالت کو دیکھتے تم میں سے کسی کو بھی مسلمان خیال نہ کرتے کیونکہ وہ حضرات اتنے بڑے اعلیٰ درجے کے مالک تھے کہ گھوڑوں پر سوار پرندوں کی طرح اڑتے اور ہوا کی طرح تیز چلتے ہوئے دنیا سے چلے گئے اور ہم ان لوگوں میں ہیں جو ایسے گدھوں پر سوار ہیں جن کی پشت زخمی ہے اور اس کی تکلیف سے چلاتے ہیں اور چلنے پر مجبور ہیں۔

آپ نے فرمایا انسان دنیا سے تین حسرتیں لے کر جاتا ہے ایک یہ کہ مال و دولت جمع کرنے سے آسودہ نہ ہوا دوسرے یہ کہ جو کچھ حاصل کرنا چاہتا تھا وہ حاصل نہ ہوا۔ تیسرے یہ کہ آخرت کے سفر کا سامان مہیا نہ کیا۔

تقویٰ

آپ نے فرمایا پرہیزگاری کے تین درجے ہیں ایک یہ کہ غیض و غضب کی حالت میں بھی سچ بات کہے۔ سچ کو ترک نہ کرے۔ حق بات اختیار کرے دوسرے یہ کہ جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے انہیں پابندی کے ساتھ ادا کرتا ہے تیسرے یہ کہ جن باتوں کی ممانعت ہے انہیں کبھی ہاتھ نہ لگائے۔

معتزلہ

معتزلہ کے گروہ سے متعلق مختلف روایات ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ استحکام سلطنت کے لئے امویوں نے ہر طرف خونریزیاں شروع کی ہوئی تھیں جن کے باعث ملک میں سخت بے دلی، بے اطمینانی اور خوف و ہراس پھیل رہا تھا۔ ہر چند لوگوں کی زبان پر تالے پڑ چکے تھے جان کے خوف سے کوئی شخص امویوں کے سامنے کلمہ حق نہیں کہہ سکتا تھا مگر پھر بھی اس وقت عرب میں کہیں کہیں تھوڑا بہت آزادی کا شعور باقی تھا بعض بعض دیدہ دلیر لوگ متعجب ہو کر بسا اوقات سلطنت کے اراکین سے یہ سوال کر بیٹھتے کہ تم مسلمان ہو کر کیوں مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگنے پر کمر بستہ ہو تم نے اپنی سلطنت کے لئے ہر طرف خون کی ندیاں بہا رکھی ہیں۔ کل خدا کو کیا جواب دو گے۔

کیا تمہیں خدا یاد نہیں، وہ جواب میں کہتے کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔ انسان مجبور محض ہے۔ القدر خیرہ وشرہ۔ اس عقدے کو جبر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ امویوں نے اپنے ظلم و ستم پر خاک ڈالنے کے لئے یہ عقیدہ قائم کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گروہ خوارج اور جبریہ کے بعد مسلمانوں میں رد عمل کے طور پر ایک تیسرا

گروہ قدریہ کے نام سے پیدا ہوا جس کے عقیدے کی بنیاد اس پر تھی کہ انسان سے بھلے برے جو بھی افعال سرزد ہوتے ہیں ان کا خالق خدا نہیں بلکہ خود انسان ہے۔

خواجہ حسن بصری شہر کی جامع مسجد میں قرآن و حدیث کا درس دیا کرتے تھے ایک روز آپ کے درس میں قدریہ فرقے کا ایک شخص معبد جہنی شریک ہوا جناب خواجہ سے اس نے مسئلہ جبر کا ذکر چھیڑا اور پوچھا کہ اموی اپنے اعمال کے جواب میں جو دلیل بری الذمہ ہونے کی پیش کرتے ہیں کیا آپ کے نزدیک درست ہے؟ خواجہ صاحب نے فرمایا کذب اعداء اللہ یعنی اللہ کے دشمن اموی جھوٹے ہیں۔ مگر معبد جہنی جناب خواجہ کے اس جواب سے مطمئن نہ ہوا۔ اس نے چند ایک بے تکے، بے معنی سوال اور کر دیئے۔ اس پر آپ نے بیزار ہو کر معبد جہنی سے کہا اعتزل منی۔ جا مجھ سے دور ہو جا کہتے ہیں اس واقعہ سے گروہ قدریہ عوام میں فرقہ معتزلہ کے نام سے مشہور ہوگا۔

بعضوں نے یوں لکھا ہے کہ عمرو بن عبید اور واصل بن عطا یہ دونوں جناب خواجہ کے شاگردوں میں سے تھے۔ یہ ایک روز معمول کے مطابق آپ کے درس میں شریک تھے کہ اسی اثنا میں ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان دنوں خوارج کے اس عقیدے کا بڑا چرچا تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے! اس شخص نے آتے ہی سوال کیا اور پوچھا کہ خوارج کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ایک گروہ ایسا بھی آگیا ہے جس کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب مسلمان کسی نقصان سے ایسے ہی محفوظ ہے جیسے کفر کی حالت میں کوئی آدمی چاہے کتنی ہی نیکی کرے وہ اسے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ کیا یہ عقیدت درست ہے؟ خواجہ یہ سوال سن کر سوچ میں پڑ گئے۔ ابھی منہ سے کچھ کہنے بھی نہ پائے تھے کہ واصل چلایا اور کہنے لگا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے نہ

مومن بلکہ درمیانی منزل کا آدمی ہے اور اس کے بعد وہ اور عبید دونوں آپ کے درس سے نکل کر چلے گئے۔ اس پر جناب خواجہ نے خفا ہو کر فرمایا اعتزل عنا۔ یعنی وہ ہمارے حلقے سے دور ہو گیا کہتے ہیں اسی دن سے ان لوگوں کا نام معتزلہ پڑ گیا۔

بہر کیف واقعہ خواہ کچھ بھی ہو اس پر تو تمام سیرت نگار اور مورخین نے اتفاق کیا ہے کہ معتزلہ ایسے رسوائے زمانہ لقب کی ابتدا جناب خواجہ حسن بصری ہی کی زبان مبارک سے ہوئی لیکن ایک معتزلہ کیا جناب خواجہ کا سلوک مسلمانوں کے کسی گروہ سے بھی ایسا نہیں تھا جیسا کہ آج ہم اپنے عقیدے کے خلاف کسی کو پا کر ایک دوسرے سے شدید تعصب اور عداوت رکھتے ہیں۔

خواجہ صاحب کا طرز عمل

اختلاف عقائد کے معاملے میں جناب خواجہ کا طرز عمل نہایت صلح کا مل تھا۔ یہی سبب ہے کہ بعد کے زمانے ہی میں نہیں بلکہ خود انہی کے وقت میں بھی بعض لوگوں نے ان سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا چنانچہ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ معتزلہ کا گروہ جناب خواجہ حسن بصری ہی کو اپنے فاسد عقائد کا امام قرار دیتا تھا اور یہ بھی طبقات ہی میں لکھا ہے کہ جناب خواجہ کو اسی سبب سے جناب معاذ کی حدیث پیش کر کے اپنے بارے میں اہل سنت والجماعت ہی کے عقیدے کی توثیق وصیت کے طور پر پیش کرنی پڑی۔

علامہ سیرین

یہ حقیقت ہے کہ جناب خواجہ عقیدہ اور عمل کے اختلافی مسائل پر باہمی عداوت اور دشمنی کی بنیاد رکھنے کو قطعاً روح اسلام کے خلاف سمجھتے تھے چنانچہ اس سلسلے میں علامہ محمد بن سیرین جو آپ ہی کے ہم پلہ ہم عصر اور ہم شہر بزرگ تھے۔ جناب خواجہ حسن بصری کے صلح کل طرز عمل کی زندہ

مثال ہیں۔

علامہ سیرین اور خواجہ صاحب کے درمیان عقیدے اور عمل کا اختلاف تھا مگر دونوں کی افتاد طبع مختلف تھی۔ خواجہ حسن بصری میں شان جلال تھی اور علامہ محمد سیرین میں شان جمال اگرچہ بصرے کے لوگ دونوں بزرگوں کے اختلاف سنتے تاہم دونوں ہی کو واجب الاحترام سمجھتے طرز عمل چونکہ جناب خواجہ کا کچھ ایسا تھا کہ اسے دیکھ کر بصرے کے لوگ اختلاف کے قصے کو چکانے کے لئے اس طرح کہنے پر مجبور ہو جاتے کہ خواجہ حسن بصری کے مزاج میں غصہ زیادہ ہے تقریر کے وقت چونکہ غیض و غضب کا فطری طور پر ان پر غلبہ ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کے منہ سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں جن میں سخت گیری کا رنگ غالب ہوتا ہے مگر نیت دونوں بزرگوں کی نیک ہے۔ علامہ محمد بن سیرین اگر خاموش رہتے ہیں تو یہ اجر و ثواب ہی کی غرض سے ایسا کرتے ہیں اور خواجہ حسن بصری جو کچھ فرماتے ہیں وہ بھی اجر و ثواب ہی کی نیت رکھتے ہیں۔

ثابت البنانی

خواجہ صاحب کے شاگردوں کی تعداد یوں تو بے شمار ہے لیکن ان میں سب سے زیادہ عالم و محدث جو مشہور ہوئے وہ جناب ثابت البنانی تھے ابن سعد نے لکھا ہے کہ علامہ سیرین اختلاف کی رو میں بہہ کر اکثر جناب خواجہ پر شدید چوٹیں کیا کرتے جناب ثابت البنانی سمجھتے تھے کہ جناب خواجہ کے دل پر علامہ محمد سیرین کے اس طرز عمل کا ضرور ایک گہرا اثر ہوگا۔

کہتے ہیں جس زمانے میں حجاج ثقفی اللہ والوں کے درپے آزار تھا اور مسلمانوں کی چیدہ چیدہ ممتاز شخصیتوں کی پکڑ دھکڑ ہو رہی تھی۔ جناب خواجہ لوگوں کے کہنے پر چند روز کے لئے کسی گوشہ تنہائی میں چھپ کے بیٹھ گئے۔

دوران میں جناب خواجہ کی صاحبزادی کا انتقال ہو گیا۔ ثابت البنانی نے اس حادثہ کی آپ کو آکر خبر سنائی ثابت البنانی بصرے کے سب سے زیادہ عبادت گزار انسان تھے۔ کوئی مسجد ایسی نہیں تھی کہ جس کے سامنے سے گزرے ہوں اور اس میں دوگانہ ادا کیے بغیر چلے جائیں۔ پچاس برس میں کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں کی۔ ثابت خیال کرتے تھے بچی کے جنازہ کی نماز پڑھانے کا مجھ ہی کو حکم دیا جائے گا لیکن جب جناب خواجہ نے بچی کے کفن دفن کی تمام ہدایات دے کر آخر میں فرمایا "کہ جب جنازے کو گھر سے باہر نکال کے لے آؤ تب محمد بن سیرین سے کہنا کہ نماز آپ ہی پڑھائیں۔ ثابت البنانی کہتے ہیں کہ یہ جملہ سن کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی میں نے دیکھا کہ باوجود عقیدے کے شدید اختلاف کے خواجہ صاحب کے دل میں کوئی میل نہیں۔

بھلا ایسی شخصیت کو جس کا طرز عمل اتنا پرکشش اور جاذب نظر ہو مخالفین اپنے عقائد اور نظریات کا مویدیا امام ثابت کرنے کی کوشش میں کب کامیاب ہو سکتے تھے جن لوگوں نے جناب خواجہ کی ذات گرامی کو معتزلیوں سے وابستہ خیال کیا ہے ان کی نظر میں در حقیقت وہ حقائق نہیں جن سے جناب خواجہ کی معتزلہ کے گروہ سے قطعی علیحدگی کی پرزور تائید ملتی ہے۔

فرقہ جبریہ

جبریوں کے مذہب کی بنیاد جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان ہو چکا ہے اس عقیدے پر تھی کہ انسان مجبور محض ہے۔ بظاہر اس سے جو افعال منسوب کیے جاتے ہیں۔ بباطن ان سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ اس لیے کہ انسان میں ارادے کی قوت ہے نہ اختیار کی اور نہ اس کے علاوہ کوئی اور قدرت اس میں ہے اسی طرح جبریوں کے نزدیک جزا و سزا کا تصور بھی جبر میں داخل ہے۔ جبری اپنے عقیدے کے زور کو قائم رکھنے کی اس طرح کی دلیلیں پیش کرتے

ہیں کہ جیسے کوئی مر جائے تو اس کے بارے میں کہتے ہیں فلاں شخص مر گیا۔ حالانکہ اسے خدا نے مارا ہے یا جیسے یہ کہیں کہ فلاں پیدا ہوا یا فلاں عمارت کھڑی ہو گئی حالانکہ اسے خدا نے پیدا کیا اور عمارت خدا ہی نے کھڑی کی ہے۔ حقیقت میں یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی عقیدہ فرقہ کی صورت میں زور پکڑ جائے پھر اگر اس کے بانی کی تلاش کی جائے تو وہ نہیں ملے گا کیونکہ بعد میں کسی فرقے کا نقطہ آغاز معلوم کرنا بہت ہی دشوار ہو جاتا ہے۔ اس سے متعلق زیادہ سے زیادہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ فلاں زمانے میں ایک مذہب یا جماعت کی صورت اختیار کر گیا۔ بس اسی مفروضہ کے پیش نظر جبر کی تاریخ بیان کرنا تو مشکل ہے ہاں جبریوں کے بارے میں البتہ یہ قطعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ان کا عقیدہ امویوں کے دور حکومت کی یادگار ہے اور وہ ان کے زمانے میں بہت پھولا پھلا۔

خواجہ حسن بصری نے جبریوں کے عقائد کو باطل کرنے اور ان کو سختی سے دبانے کی پوری پوری کوشش کی ہے چنانچہ احمد بن یحییٰ بن مرتضیٰ یمنی 840 ہجری نے اپنی کتاب الملل والنحل میں جناب خواجہ کا ایک خط نقل کیا ہے جسے آپ نے بصرہ کے رہنے والوں کے نام لکھا تھا۔ آپ فرماتے ہیں۔ جو شخص خدا اور اس کے قضا و قدر پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے جو اپنے گناہوں کا بوجھ خدا پر ڈال دے۔ وہ بھی کافر ہے۔ خدا کی اطاعت مجبوری سے نہیں کی جاتی اور نہ کسی سے مغلوب ہو کر اس کی نافرمانی کی جاتی ہے اس لیے کہ مالک حقیقی نے مالک بنا دیا ہے اور جو قدرت انسان میں پائی جاتی ہے۔ وہ اسی کی ودیعت کی ہوئی ہے۔ اگر وہ نیک اعمال انجام دیں تو ان کے افعال میں مداخلت نہیں کرتا اور اگر معصیت کا ارتکاب کریں تو وہ ان کے افعال میں مخل نہیں ہوتا اگر اس کی مشیت کا تقاضا ہو جب وہ کچھ نہیں کرتے۔ تو اس کے یہ معنی نہیں کہ خدا نے انہیں چھوڑ دیا ہے اگر خدا مخلوقات کو اطاعت پر مجبور کر دیتا تو ثواب کو ساقط کر

دیا ہوتا اور اگر جبر گناہوں پر مجبور کرتا تو سزا کو موقوف کر دیتا اور اگر بے فائدہ چھوڑ دیتا تو اس کی عدم قدرت کی دلیل ہوتی بلکہ مخلوقات کے بارے میں اس کی خاص حیثیت ہے جسے اس نے ان سے پوشیدہ رکھا ہوا ہے۔ اگر وہ نیک کام کریں تو یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور اگر وہ معصیت کا شیوہ اختیار کریں تو اس کی حجت ان پر تمام ہو جاتی ہے۔"

بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ عقیدہ جبر کی ابتدا تو جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہی کے زمانے سے ہوئی ہے لیکن اسے ایک مکمل مسلک یا مذہب کی حیثیت اسویوں کے زمانے میں حاصل ہوئی بعضوں کا خیال یہ ہے کہ جبر کا عقیدہ خالص یہودی ذہن کی پیداوار ہے۔ بصرے میں اول جس شخص نے اس عقیدے کو پھیلایا وہ جہم بن صفوان تھا اور جہم نے اسے یہودیوں اور پارسیوں سے لیا تھا۔ اس لئے بنابریں یہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ عقیدہ جبر عربوں کی افتادِ طبع کا نتیجہ نہیں۔

ہمارے اس بیان پر بلاذری کی فتوح البلدان سے مکمل شہادت مل سکتی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اصل میں جبر کے عقیدے کا خود جہم بھی حقیقی بانی مبانی نہیں بلکہ اس نے اسے "الاسواریوں" سے لیا ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے کہ شہنشاہ ایران کی فوجوں کا جرنیل یا سپہ سالار سیاہ فام ایک شخص تھا جو عوام میں سیاہ الاسواری کے نام سے مشہور تھا یزدجرد جب مدائن سے بھاگ کر اصفہان پہنچا تو اس نے اپنی بکھری ہوئی فوج کو اکٹھا کرنے کے لئے سیاہ اسواری کو بلایا اور اسے تین سو چیدہ سوار دے کر اصطخر کی حفاظت کے لئے روانہ کر دیا ابھی سیاہ اسواری اصطخر پہنچا ہی تھا کہ اتنے میں یزدگرد بھی اصطخر پہنچ گیا۔ اب یہاں سے اس نے سیاہ الاسواری کو جناب موسیٰ اشعری کے مقابلہ میں سوس بھیج دیا۔ اسواری کے لوگ ابھی موسیٰ کے مقابلے میں پڑے ہوئے تھے کہ انہیں یزدگرد کے شکست کھانے اور بھاگ جانے کی

اطلاع ملی اب اسواریوں نے طے کیا کہ ابو موسیٰ سے صلح کر لیں چنانچہ صلح ہو گئی۔

اس دوران میں یزدگرد کے اور بہت سے آدمی اصفہان سے چل کر سیاہ الاسوار سے آ ملے۔ ان لوگوں نے آ کر یہ تجویز پیش کی کہ مسلمانوں سے مقابلہ کرنے پر ہمارا جو حشر ہوا ہے وہ سب کے سامنے ہے ہم جو بات سنتے آ رہے تھے کہ اصطخر کے ایوان میں مسلمانوں کے گھوڑے لید کریں گے وہ بھی سب نے دیکھ لیا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارا بادشاہ بھی ہمارے پاس نہیں رہا جانے کہاں فرار ہو گیا۔ اب ان حالات میں اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ ہم اپنی جان بچانے کے لئے مسلمان بن جائیں اور اسلام قبول کر لیں۔

یہ بات اسواریوں کو معقول دکھائی دی چنانچہ وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ اسواریوں کا یہ گروہ ایران کو چھوڑ کر پھر ہمیشہ کے لئے بصرے میں آباد ہو گیا جن کے نام سے بصرے میں ایک خاص محلّہ بھی قائم ہوا۔ اس کے علاوہ ان لوگوں نے اپنے لئے ایک خاص نہر بھی کھودی تھی جس کا نام نہر الاسادرہ تھا۔ کہتے ہیں انہی لوگوں میں ایک شخص ابو یونس الاسواری بھی تھا جس کا اسلام قبول کرنے سے پہلے نام سیسویہ یا سوسن تھا وہ خیالات جن کو بصرے میں پھیلانے کا پہلا گنہگار معبد جہنی تھا۔ وہ دراصل اسواریوں ہی کی افتادِ طبع کا نتیجہ ہیں۔

جبری ہوں کہ قدری مختصراً یوں سمجھئے کہ وصال نبوی کے بعد عراق ایران و شام و دیگر ممالک کے جو لوگ مسلمان ہوئے وہ مسلمان ہونے کو تو مسلمان ہو گئے لیکن وہ اپنے ان قدیم نظریات سے دست بردار نہ ہو سکے جو نو مسلموں کے ہاں متوارث تھے چنانچہ ان لوگوں میں اکثریت انہی کی تھی جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے باوجود قدیم عقائد کو ترک نہیں کیا اور

صرف ترک ہی نہیں کیا بلکہ اسلام کو بھی انہی عقائد کی روشنی میں دیکھا۔ یہی سبب ہے کہ صحبت نبوی سے محروم رہنے کے سبب یہ لوگ اسلام میں طرح طرح کے فرقوں اور گروہوں کے بانی مبانی ہوئے۔

خواجہ حسن بصری نے قدریہ اور جبریہ دونوں فرقوں کے ابطال کی کوشش فرمائی۔ آپ نے سنت والجماعت کا یہ عقیدہ پیش کیا کہ انسان مجبور محض ہے نہ مختار کل بلکہ اس کے بین بین ہے آپ نے اس عقیدے کا اتنی شدو کے ساتھ اظہار کیا کہ حجاج ایسے ظالم حاکم کو اپنی حکومت کے بچانے کی فکر پڑ گئی۔ یہی سبب ہے کہ اس نے جبریوں کے مخالفوں کو چن چن کے قتل کیا غالباً جناب خواجہ کے قتل کا ارادہ بھی ہو گا کہ آپ روپوش ہو گئے مگر خواجہ سے یہ عزلت گزینی کچھ زیادہ نبھ نہیں سکی کہ گوشہ تنہائی سے نکل آئے ان کی گفتگو ہوئی آخر میں اس نے چھوڑ دیا۔

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت سعید بن جبیر تابعی کو جب حجاج نے انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کیا ہے تو اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد وہ ایک خاص قسم کے جنون میں گرفتار ہو گیا۔ سوتا تھا تو خواب میں بھی اسے جناب سعید ہی نظر آتے اور کہتے کہ او ظالم تو نے کس جرم میں قتل کیا ہے؟ آنکھ کھلتی تو اس وقت بھی جناب سعید کو اپنے سامنے کھڑا پاتا۔

اسی دوران میں حجاج کے پیٹ میں سرطانی پھوڑا نکل آیا جس کا زہر دن بہ دن جسم میں بڑھتا ہی چلا جاتا تھا اسی مرض کے سبب وہ ایک اور بیماری میں مبتلا ہو گیا جس کا نام زمہریرہ ہے اس بیماری میں اس کو ایسی سردی محسوس ہوتی کہ دہکتے انگاروں کی ہزاروں انگیٹھیاں بھی اس کے بدن کے قریب لائی جائیں تو کم ہیں۔ اس کے جسم سے انگیٹھی کو اتنا قریب کر دیا جاتا کہ کھال جلنے لگتی مگر اس کی سردی کم نہ ہوتی تھی۔

طبیبوں نے جب تجویز کیا کہ پیٹ میں پھوڑا ہے تو جانچنے کیلئے، روئی کے

ٹکڑے کو تاگے میں باندھ کر حجاج کو نگلوایا جب ٹکڑا نگل گیا تب جھٹکا دے کر باہر کھینچ لیا گیا جو صرف کیڑوں سے بھرا تھا آخر بیماری نا قابل علاج قرار پائی۔

حجاج نے خواجہ حسن بصری کو بلایا اور رونے لگا اور آپ کی خدمت میں گڑگڑا کر التجا کی کہ میرے لئے دعا فرمایئے جناب خواجہ نے فرمایا۔ حجاج دیکھ کہ میں نہ کہتا تھا کہ اللہ والوں سے نہ الجھ۔ انھیں مت ستایا کر مگر تو نے میری ایک نہ سنی اور کبھی میری نصیحت پر عمل نہ کیا اب تو روتا مگر اب رونے سے کیا فائدہ؟ سعید کے ساتھ تو نے جو کچھ کیا یہ اصل میں اسی کا خمیازہ ہے حجاج نے کہا۔ خواجہ اب صحت کی دعا نہ فرمایئے بلکہ موت کی دعا کیجئے تا کہ میری مشکل آسان ہو جائے۔

حضور پر نور حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

"ان اشد البلاء علی الانبیاء ثم علی الاولیاء ثم الا مثل فالا مثل"

"بے شک مصیبتیں بھی انبیاء اکرام پر آتی ہیں۔ پھر اولیاء اللہ پر پھر جو لوگ ان کی مثل ہیں ان پر آتی ہیں۔"

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

انی لا ستغفر اللہ کل یوم سبعین مرۃ

"بے شک میں ہر روز ستر بار اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔"

حضرت میاں میرؒ اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں۔

"تجلیات الٰہی کی کوئی حد نہیں اور اللہ کریم کی تجلیات کثرت کے ساتھ حضور پر نور ﷺ پر نازل ہوتی تھیں اور تجلی بار بار نازل نہیں ہوتی بلکہ ہر بار تجلی پہلے سے زیادہ پر معنی نازل ہوتی رہی۔ اب آنحضرت ﷺ پر ایک تجلی کا نزول ہوا تو اس کے حاصل ہونے سے اس قدر ذوق حاصل ہوا کہ آپ نے گمان کر لیا کہ اب اس سے بہتر کوئی تجلی نازل نہیں ہو گی لیکن جب نئی تجلی اس تجلی کے مقابلے

سے کئی حصے زیادہ پر لطف نازل ہوئی تو حضور ﷺ اس خیال پر جو پہلی تجلی کے متعلق فرما چکے تھے، بے نیاز ہو جاتے اور دوسری تجلی کے لطف میں مشغول ہو جاتے۔ جب یہ خیال آتا کہ اللہ کریم نے اب جو تجلی نازل فرمائی ہے وہ پہلی کی نسبت زیادہ عالی ہے، تو آپ استغفار کرتے......"

ایک بزرگ حضرت ابو بکر دلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

العافية والصوف لا لجتمعان

"اگر آپ چاہیں کہ صوفی عافیت میں رہے تو یہ نا ممکن ہے عافیت اور تصوف دونوں ایک مقام پر جمع نہیں ہو سکتے"

اسی کو ایک اور مقام پر کہا گیا ہے۔

مَا لِلصّو فِي الْعَافِيَة

"صوفی کا خیر و عافیت سے کیا تعلق ہے؟"

سو جس طرح انبیاء کرام کو اپنی قوم اور امت کے لئے اپنی ذات پر بوجھ جھیلنا پڑتا ہے۔ بالکل اسی انداز میں، اگرچہ بہت درجے کم، اولیائے کرام، عابدوں، زاہدوں اور صوفیوں کو بھی مصیبتیں برداشت کرنا ہوتی ہیں اور دوسری جانب عوام کی طرح حقوق اللہ کو پورا کرنا ہوتا ہے اور دنیوی تعلقات معاملات دنیا اور اسی طرح کے دوسرے تمام سلسلوں کو بھی اپنی اپنی جگہ پورا کرنا ہوتا ہے اور یہی وہ باتیں ہیں جو انبیائے کرام اور اولیائے عظام کے لئے مصائب ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ حضور اکرم ﷺ نے فاطمۃ الزہراؓ کو بھی ارشاد فرمایا کہ اس بات پر فخر نہ کرنا کہ تم رسول کی بیٹی ہو۔ نیک کام کرنے میں سستی نہ کرنا۔ مسلسل اور پیہم نیک کام کرتی رہنا۔

دیکھا جائے تو حضرت سیدۃ النساء کا کون سا عمل تھا جو نیکی کے زمرے میں نہیں آتا تھا۔ آپ عابدہ و زاہدہ تھیں اور معرفت الٰہی ریاضت کرتی تھیں۔ اس پر بھی انہیں یہ حکم ملا۔ گویا دل کی اصلاح کے لئے ارشاد ہوا اور کہا کہ دل کی اس قدر

صفائی کرنا کہ دل خود ہی تمہارے ساتھ کلام حق کرنے لگ جائے اور تمہارا دل تمہارا رازدار ہو جائے۔

یہی وہ مقامات ہیں جو عشق الٰہی، تصوف اور معرفت میں درپیش ہوتے ہیں حضرت رابعہ بصری نے یہ تمام منازل طے کیں، ان سارے مراحل سے گزریں ان مقامات پر، ان منازل پر پہنچ کر اور ان مراحل سے گزرتے ہوئے کیا کیا کیفیات رونما ہوئیں۔ کیسے جلوے نظر آئے اور کیسے کیسے بھید نمایاں ہوئے، یہ سب اسرارات ہیں اور جس کے بارے میں حضرت عمر بن عثمان مکی ارشاد فرماتے ہیں۔

لا يقطع على كيفية الوجد عبارة لانه سر الله عند المومن

"عبارت ان باتوں بیان کرنے سے عاجز ہے جو باتیں مومن کو حالت وجد میں حاصل ہوتی ہیں"

یہ اسرارات مومن کے پاس بطور امانت رکھے جاتے ہیں۔ عبارتوں میں اللہ کے دوستوں کے وجد و حال کو کبھی بیان نہیں کیا جا سکتا اور نہ انسان کا فعل ہوتا ہے اور جس بات میں بندے نے اپنا عمل دخل کیا ہو وہ سر الٰہی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اسرارات کے وارد ہونے میں فقیر کا اپنا عمل دخل اور تعلق نہیں ہوتا وحدت و کثرت کے مسائل کو لوگوں سے پوشیدہ رکھنا ہوتا ہے۔

حضرت رابعہ بصری جس منزل کی مسافر تھیں، اس تک کسی عام شخص کیا بیشتر اہل علم کی بھی رسائی نا ممکن ہے۔ آپ اندازہ فرمائیں کہ جس خاتون کے پاس حضرت مالک بن دینار، سفیان ثوری اور حسن بصری جیسے بزرگ اور زاہد تعلیم کے لئے آتے ہوں، اس کا مقام کیا ہوگا۔ یہ اسرار و شہود کے معاملات ایسے ہیں کہ اس میں بڑے بڑے علم والے بھی بھٹک جاتے ہیں اور سلوک کا راستہ تو ایسا ہے جس کے قدم قدم پر تشکیک کا مقام آتا ہے۔ اگر کوئی عارف و زاہد اپنے ظرف کو قابو میں رکھے تو ان اسرار و شہود سے پردہ اٹھتا ہے۔ مگر حاسدان تیرہ بخت یا تشکیک کی

دلدل میں پھنسے ہوئے لوگ مختلف حیلوں بہانوں سے شکوک کو ہوا دیتے ہیں اور یوں دراصل اپنی ذہنیت کا اظہار کرتے ہیں حضرت رابعہ بصری کے مقام کو سمجھنے کیلئے پہلے اپنے قلب کی صفائی ضروری ہے اور اپنے ذہن کے خلجان کو نکالنا از بس ضروری ہے۔

حضرت سہیل بن عبداللہ تستری ارشاد فرماتے ہیں۔

"مجھ سے سوال کیا گیا کہ بدبختی کی علامتیں کیا ہیں؟" میں نے کہا کہ بڑی بد نصیبی یہ ہے کہ تجھے علم حاصل ہو جائے اور عمل کی توفیق حاصل نہ ہو سکے۔ اس میں اشارہ ان نادان لوگوں کی طرف ہے جو عارف کے کلام کے اسرار معارف جاننے سے قاصر ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ علماء اور عارفین پر کفر کے فتوے بھی لگائے جاتے ہیں اور انہیں واجب قتل بھی ٹھہرایا جاتا ہے۔ یہی حالت ابن منصور حلاج کے ساتھ ہوئی اور عارف حق امام ابن العربی قدس سرہ العزیز کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ عارف اپنا کلام عام لوگوں سے پوشیدہ رکھے۔"

"راز صاحب راز تک ہی پہنچے اور اگر نا اہل کے پاس راز کی بات پہنچی تو نا اہل اس کلام کو ظاہر پر ٹھہرا کر صوفی کو ایذا اور سزا پہنچائے گا۔"

اسی طرح حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں۔

"ہم نے تو تہہ خانوں اور دریاؤں کے کنارے پر بیٹھ کر راز کی بات کی تھی۔ لیکن شبلیؒ نے ان باتوں کو منبر پر چڑھ کر بیان کرنا شروع کر دیا۔"

حضرت میاں میرؒ نے فرمایا کہ ابن منصور حلاج کم ہمت اور کم حوصلہ شخص تھے، ان پر جو ظاہر ہوا وہ بہت بلند تھا اور اس دریائے معرفت میں بعض عارف اس قدر بلند ہمت اور باحوصلہ ہوئے ہیں کہ اسرارات کے دریا پی گئے اور ایک آہ تک ظاہر نہیں ہونے دی اور کبھی جوش نہ مارا۔

معرفت کے سلسلے میں حضرت میاں میرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تک پہنچنے کے

دو طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ جذبہ کا ہے کہ اللہ کریم یک لخت اپنی جانب کسی بندے کو کھینچ لے اور اپنا وصل عنایت فرمائے۔

دوسرا طریقہ سلوک کا ہے جس میں بندہ ریاضت و مجاہدے کے علاوہ کسی پیر طریقت کی بیعت اختیار کر لے۔ اس طرح طویل واسطوں سے اللہ کریم کا وصل حاصل کرنے میں کامیابی ہوتی ہے۔

حضرت رابعہ بصریؒ ان خوش بختوں میں سے ہیں جنہیں خداوند کریم نے خود اپنی طرف کھینچا اور اپنے قرب اور وصل کا نظارہ کروایا۔ انہیں ایسا عرفان حاصل ہوا کہ انہیں ماسوائے اللہ کے کائنات میں اور کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ وہ وحدہ لاشریک کی محبت میں اس طرح محو ہو گئیں کہ انہیں عبادت و ریاضت میں دنیا کی کسی شے کی طلب ہی نہیں رہتی تھی۔ وہ کئی کئی دن تک بھوکی پیاسی ایک ہی استغراق اور انہماک میں گم رہتی تھیں۔ وہ محبت جو ان کے وجدان و ایمان سے پھوٹی تھی وہ انہیں ذات واحد کے علاوہ کسی اور طرف دیکھنے ہی نہیں دیتی تھی۔ ان کا رضائے الٰہی کے سوا اور کوئی معبود نہیں تھا اور وہ فنا فی اللہ ہو چکی تھیں۔ وہ یوں گڑگڑا کر مناجات کیا کرتی تھیں۔

"معبود۔ میں جب کسی حیوان کی آواز، پتے کے کھڑکنے کی آہٹ، پانی کے گرنے کی صدا اور بجلی کی کڑک سنتی ہوں یا کسی پرندے کے نغمات میرے کانوں میں پڑتے ہیں، لمبے لمبے سائے دیکھتی ہوں یا ہوا کی سرسراہٹ محسوس کرتی ہوں تو ان سب کو تیری یکتائی پر گواہ اور تیرے بے نظیر ہونے پر شاہد پاتی ہوں۔"

ایک بار کسی نے ان سے سوال کیا۔

"رابعہ! تو شیطان سے محبت کرتی ہے یا نفرت؟"

انہوں نے جواب دیا۔

"محبت الٰہی نے میرے لئے اس امر کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی کہ میں

شیطان سے نفرت کر سکوں۔"

گویا یہ وہی مقام ہے کہ جہاں طالب کو مطلوب کے سوا، عاشق کو محبوب کے سوا کسی کا دھیان ہی نہیں آتا۔ محبت اور عشق اتنی مہلت ہی نہیں دیتے کہ کوئی اور خیال یا کسی اور کا خیال دل میں جگہ پائے یا ذہن میں سرایت کر آئے۔ کوئی خیال ذہن و دل میں آئے گا، تو اس کے بعد ہی محبت یا نفرت کا فیصلہ ہو سکے گا۔۔۔۔۔!

وہ اکثر دعا کیا کرتی تھیں۔

"پروردگار! کیا تو اس دل کو جو تجھ سے محبت کرتا ہے، اس زبان کو جو تجھے یاد کرتی ہے اور اس بندے کو جو تجھ سے ڈرتا ہے، آگ میں جھونک دے گا۔"

آنحضور ﷺ کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ رات بھر نوافل پڑھتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے پیروں میں سوجن ہو گئی۔ اس پر باری تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ آپ کیوں اتنی تکلیف اٹھاتے ہیں۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا "باری تعالیٰ یہ میری خواہش اور محبت ہے۔"

حضرت رابعہ بصریؒ اور آپ کے مسلک کے دوسرے زاہد بھی اسی طرح عشق الٰہی میں اتنے ڈوب جاتے تھے کہ انہیں جسمانی تکلیف کا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔ روحانی لذت اتنی وافر ملتی تھی کہ جس کی حیثیت ختم ہو جاتی تھی، حضرت رابعہ بصریؒ نے بیسیوں بار کہا تھا کہ وہ کسی لالچ میں عبادت نہیں کرتیں، وہ تو اپنے مطلوب کی رضا اور قرب چاہتی ہیں۔

روایت ہے کہ ایک بار لوگوں نے دیکھا کہ وہ ایک ہاتھ میں پانی اور دوسرے میں آگ پکڑے دوڑے جا رہی ہیں۔ لوگوں نے روک کر پوچھا۔

"رابعہ! کیا ہوا ہے؟"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"میں آسمان کی طرف جا رہی ہوں تاکہ جنت کو آگ لگا دوں اور جہنم کی آگ کو ٹھنڈا کر دوں تاکہ لوگ ان کی وجہ سے اللہ کی عبادت نہ کریں اور کسی مادی سبب یا

معنوی لالچ کے بغیر اللہ کی طرف رجوع کریں۔"

اللہ عزوجل کے حضور میں خود اپنی خدمت گزاری اور اُن کی قوت محرکہ کے بارے میں انہوں نے کہا۔

"میں نے خدا کی خدمت دوزخ کے خوف سے نہیں کی کیونکہ اگر میں یہ کسی خوف کی وجہ سے کرتی تو میں ایک ذلیل اجرت پر کام کرنے والے سے بدتر ہوتی اور نہ یہ خدمت میں نے جنت کی آرزو کے سبب سے کی ہے۔ اگر میں کسی اجر کی خاطر اجر کرتی تو میں کوئی اچھی خادمہ نہ ہوتی۔ میں نے تو اس کی خدمت محض اس کی محبت اور اس کی آرزو کی وجہ سے کی ہے۔"

امام غزالیؒ اس کی یوں تشریح فرماتے ہیں۔

"خود غرضانہ محبت (حب الھویٰ) سے رابعہ کی مراد خدا کی محبت ہے۔ اس احسان اور انعام کی بنا پر جو انہیں دنیا میں حاصل ہے اور اس کی شان کے شایان، محبت سے مراد جمال الٰہی کی محبت ہے جو ان پر منکشف ہو گیا تھا اور محبت کی یہ دوسری قسم۔ اس پہلی قسم سے بالاتر اور پاکیزہ تر ہے جس کا ذکر پہلے ہوا ہے۔"

کچھ اور صوفیاء نے بھی ان اشعار کی توضیح پیش کرتے ہوئے ایسی شرح پیش کی ہے جو اس روحانی وجدان کے مطابق ہے جس کی رابعہ متحمل تھیں اور یہی صوفیانہ مذہب کے مطابق ہے۔ اس مرکب محبت کی تشریح میں جس کا ذکر حضرت رابعہ بصریؒ کرتی ہیں صوفیاء کے اقوال کے قریب قریب ہیں۔ پہلی نظر میں تو صوفیاء کو اس بات پر تعجب ہوا کہ حضرت رابعہ بصریؒ اپنے پروردگار سے عشق کرتی ہیں۔ وہ اس عشق کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہوئے تو بالاتفاق کہنے لگے کہ یہ عشق بشری عشق کے مشابہ تو نہیں ہو سکتا، اس لئے انہوں نے محبت مبنائے محبت کی تفسیر اس طرح کی کہ یہ وہ محبت ہے جو ایک صوفی کو بے حد عبادت کرنے سے ہو جاتی ہے۔ اس لئے وہ پروردگار کا مشتاق ہو جاتا۔ ابو طالب کی اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"حب الھویٰ اور حب استحقاق ذرا قابل تفصیل ہیں تاکہ ناواقف لوگوں پر خوبی واضح ہو جائے۔ ارباب عقل تو جو اس قسم کا ذوق نہیں رکھتے، اس کے وجود سے انکار ہی کرتے ہیں۔ لیکن ہم اس کی حقیقت مجملاً بیان کئے دیتے ہیں۔ پہلی محبت کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تجھے دیکھا، مجھے تجھ سے عشق ہو گیا۔ یہ عشق مشاہدہ و یقین کی بنا پر تھا۔ کسی خبر، تصدیق یا نعمتوں کے احساس کی بنا پر نہ تھا کہ میری محبت نعمتوں کے بدل جانے سے بدل جائے۔ میری محبت تو بطریق مشاہدہ ہے، اس لئے میں تجھ سے قریب ہوا، تیری طرف دوڑا اور دوسروں کو چھوڑ کر تیری ذات میں منہمک ہو گیا۔"

رہی محبت کی دوسری قسم تو اس کے بارے میں ابو طالب مکی لکھتے ہیں۔

"یہ ذات پر جلال سے محبت اجلال ہے۔ یہ کسی نعمت یا منفعت حسی کی بنا پر نہیں ہوتی اور نہ کسی جزا کی طلب گار ہوتی ہے۔"

علامہ شبلی نے خواجہ حسن بصری کی فضیلت علمی کے پیش نظر اس بات پر تعجب کیا ہے کہ جناب امام اعظم ابو حنیفہ نے آپ سے اکتساب علم نہیں کیا۔ حالانکہ 111ھ میں جناب خواجہ زندہ تھے۔

جناب خواجہ کا سن رحلت کسی کے نزدیک 111ھ ہے کوئی 112ھ کہتا ہے کسی نے 114ھ لکھا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ جناب خواجہ نے 110 ہجری میں وفات پائی۔

اول تو یہ جناب شبلی نعمانی کے نزدیک آپ کی تاریخ انتقال 111ھ ہے یہ وہ صحیح نہیں دوم یہ کہ خواجہ صاحب نے اپنی عمر کے آخری حصے میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ وعظ و تلقین اور درس و تدریس کے سلسلے کو ختم کر دیا تھا۔

ظاہر ہے کہ ان حالات میں جناب امام اعظم کو جو حضرت خواجہ حسن بصری کے انتقال کے وقت صرف 30 برس کے تھے آپ سے زانوئے تلمذ کرنے کا کیونکہ موقع ملتا ہے۔

وفات

خواجہ حسن بصری نے 110 ہجری میں انتقال کیا۔ بصرے سے دو تین کوس پر آپ کا مزار پر انوار مرجع خلائق ہے۔

اقوال

ابن جوزی نے صفوۃ الصفا میں آپ کے اقوال نقل کئے ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

سعید بن جبیر تابعی نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ آپ مجھے چند نصیحتیں فرمائیں آپ نے فرمایا۔ تین چیزوں سے تمہیں روکتا ہوں۔ اول یہ کہ بادشاہوں سے میل جول نہ بڑھانا ان کی عنایات پر بھروسہ نہ کرنا کیونکہ انہیں آنکھ بدلتے دیر نہیں لگتی۔ دوم یہ کہ کسی نامحرم عورت کے ساتھ خلوت میں نہ بیٹھنا چاہے تم اسے قرآن حکیم ہی کی تعلیم کیوں نہ دو۔ تیسرے یہ کہ دنیا کے کسی راگ رنگ میں نہ پڑنا۔ پس جس نے ان باتوں پر عمل کیا اس نے ہدایت کی راہ پائی۔

نیز آپ نے فرمایا۔

☆ بھیڑ آدمی کی آواز پر فوراً نقل و حرکت شروع کر دیتی ہے مگر افسوس آدمی خدا کے حکم پر ٹس سے مس نہیں ہوتا۔

☆ بدوں کی صحبت سے پرہیز کرو۔ ورنہ تھوڑی بہت اچھائیاں جو ہیں وہ بھی ہاتھ سے چلی جائیں گی۔

☆ جس نے قناعت کی وہ دنیا سے بے نیاز ہوا۔ جس نے لوگوں سے علیحدگی کی اس نے سلامتی پائی۔ جس نے شہوت کو ترک کیا وہ آزاد ہو گیا۔ جس نے چند روز صبر اختیار کیا اس نے سعادت پائی۔

☆ ورع کے تین درجے ہیں۔ ایک یہ کہ جب کوئی بات کہے حق کہے۔ چاہے خوشی میں ہو یا غم و غصے میں۔ دوسرے جس چیز میں خدا کا غضب

ہو اس سے اپنے تمام اعضا کو نگاہ میں رکھے خدا کا خوف ہر لمحہ دل میں رہے یہ باتیں ہزار سال کی نماز روزہ سے افضل ہیں۔

☆ دنیا میں کوئی سرکش گھوڑا تیرے نفس میں زیادہ سخت لگام دینے کے قابل نہیں۔

☆ اگر تجھے یہ دیکھنا ہو کہ تیرے بعد دنیا کی حالت کیا ہو گی تو دوسروں کی موت سے عبرت پکڑ اور دیکھ کہ ان کے بعد دنیا کا کیا حال ہے؟

☆ جو شیخی میں آگیا۔ اس سے بڑھ کر کوئی احمق نہیں۔

☆ جو شخص دوسروں کی برائیاں تیرے سامنے کرتا ہے اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ تیری برائیاں دوسروں کے سامنے نہ کرتا ہوگا۔

☆ میرے نزدیک برادران دین، بیوی بچوں سے زیادہ عزیز ہیں کیونکہ وہ دین کے یار ہیں اور بیوی بچے دنیا کے ساتھی۔

☆ میرا کلام سنو کیونکہ میرا علم تمہیں فائدہ پہنچائے گا اور میری بے علمی تمہیں نقصان نہ پہنچا سکے گی۔

☆ جس دل میں دنیا کی محبت ہے وہ زندہ نہیں مردہ ہے۔

☆ جو نماز حضور قلب سے نہیں وہ عذاب کا پیش خیمہ ہے۔

☆ تقویٰ اور پرہیزگاری دین کی بنیاد ہے۔ طمع اور لالچ اسے کھود دیتا ہے۔

☆ تم ڈرانے والے کی صحبت اختیار کرو تاکہ کل قیامت میں رحمت الٰہی تمہارے قریب ہو۔

☆ میں لوگوں سے اس بات کی امید نہیں رکھتا کہ وہ مجھے برا نہ کہیں۔ برا کہنے والوں نے تو اللہ کو بھی برا کہا ہے۔

☆ انسان دوسروں کی نصیحت اس وقت کرے جب خود پاک ہو جائے۔

☆ قناعت کرنے والا خلق سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔

☆ جس نے تنہائی اختیار کی اس نے سلامتی پائی۔

☆ جس نے حسد کو چھوڑا۔ اس نے دوستی پائی۔

☆ جس نے صبر اختیار کیا اس نے برخورداری حاصل کی۔

☆ صبر دو طرح پر ہے ایک مصیبت وبلا پر دوسرے ان باتوں پر کہ جن کے نہ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

☆ جو خاموشی اختیار کرتا ہے اس کا دل ناطق ہو جاتا ہے اور زبان پر اثر ہو جاتی ہے۔

خواجہ صاحب نے فرمایا جو نام نہاد مسلمان یہ خیال کرتے ہیں کہ سواد اعظم ہمارے ہی جیسا ہے اور کہتے ہیں کہ جہاں اللہ انہیں بخش دے گا وہاں ہمیں بھی معاف کر دے گا وہ سخت غلطی پر ہیں اس طرح سے وہ نیک کام کرنے میں سستی سے کام لیتے ہیں اور اس کے فضل و کرم سے محروم رہتے ہیں البتہ خدا کے بارے میں اپنے دل میں من مانی آرزوئیں ضرور پکارتے رہتے ہیں۔

در حقیقت وہ شخص سب سے بڑا فاجر و فاسق ہے جو چھوٹے بڑے سبھی گناہ کئے چلا جاتا ہے مگر کہتا ہے کہ کوئی خطرے کی بات نہیں وہ غفار سب کے گناہ بخشنے والا ہے میرے لئے کوئی کھٹکا نہیں۔

ایک مرتبہ کوفہ کے گورنر ابو ھبیرہ نے جب وہ بصرے کے دورے پر آیا تو آپ کو کسی ضرورت سے یاد کیا آپ جب گورنر سے مل کر واپس ہو رہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ چند علماء دروازے پر کھڑے ہیں اور اس بات کے منتظر ہیں کہ گورنر سے ملاقات ہو۔ یہ دیکھ کر آپ بے ساختہ ان پر ٹوٹ پڑے فرما رہے تھے "کیا تم ان گندوں اور خبیثوں کے پاس جانا چاہتے ہو بھاگو یہاں سے خدا تمہاری جان کو تمہاری جسم سے علیحدہ کرے تم لوگوں نے اہل علم کو رسوا کر دیا خدا تمہیں رسوا کرے۔ خدا کی قسم اگر تم اس چیز سے جو ان امیروں کے پاس ہے۔ بے نیاز ہو جاتے تو جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کے یہ طالب ہو جاتے لیکن افسوس ان کے پاس جو کچھ ہے اسی کو تم نے مطلوب بنا لیا اور جو کچھ تمہارے

پاس ہے اس سے وہ بے نیاز ہو گئے۔

میں نے صحابہ کو دیکھا ہے جن کی نظر میں دنیا اس سے بھی زیادہ بے وقعت تھی جتنی بے قدر و قیمت تمہاری نظر میں تمہارے پاؤں کے نیچے کی خاک ہے۔ میں نے ان بزرگوں کو بھی دیکھا ہے کہ جن کے گھر رات آتی اور اتنی غذا کے سوا جو صرف انہیں کے لئے کافی ہو ان کے پاس اور کچھ نہ ہوتا اس پر بھی وہ کہتے کہ صرف میں ہی اسے کھا لوں نہیں یہ مناسب نہیں بلکہ یہ کروں گا کہ کچھ خود کھاؤں گا اور کچھ اللہ کی راہ میں دے دوں گا۔ حالانکہ اللہ کی راہ میں وہ جو کچھ دیتے تھے اس کے خود ہی زیادہ محتاج ہوتے تھے۔

خدا کی قسم جس آدمی نے صحابہ کرام کو دیکھا ہو۔ قرآن اول کو پایا ہو اور پھر وہ تم لوگوں کے درمیان رہ گیا ہو کوئی صورت اس کی نہیں سوائے اس کے صبح کو جب اٹھے تو مغموم اٹھے اور جب شام ہو تو اس وقت بھی مغموم رہے۔

موت دنیا کو رسوا کر رہی ہے۔ کسی دانشمند کے لئے یہاں مسرت کی گنجائش ہی اس نے کہاں چھوڑی ہے۔

اے مسلمانو قرآن حکیم کے بعد پھر کوئی کتاب نازل نہیں ہو گی۔ تمہارے نبی کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا پس تمہیں چاہئے کہ دنیا کو بیچ کر آخرت خرید لو۔ دین و دنیا دونوں میں نفع پاؤ گے اور آخرت کی بیچ کر جو شخص دنیا کو مول لے گا اسے دنیا میں نقصان رہے گا اور آخرت میں بھی خسارہ۔

اے آدم کے بیٹے تجھ پر افسوس ہے۔ کیا تو اللہ سے جنگ کرنے کی اپنے اندر سکت رکھتا ہے۔ دیکھ جو شخص خدا کے حکموں سے منہ پھیرتا ہے وہ اللہ سے جنگ کرتا ہے۔

خواجہ صاحب پر آشوب زمانے کے بزرگ تھے۔ نت نئے نئے فتنے اور فرقے مسلمانوں میں آئے دن اٹھتے رہتے تھے۔ جنہیں دیکھ دیکھ کر خواجہ صاحب کا جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔ انہیں عمر بھر اسی بات کی جستجو تھی کہ

کسی طرح مسلمان آپس میں اختلافات کو ختم کر کے ایک ہو جائیں اور نیک بن جائیں اسی لگن اور دھن میں وہ اپنا تن من سب کچھ بھلا چکے تھے۔ دن رات مسلمانوں کی ہدایت و اصلاح میں لگے رہتے تھے خواجہ صاحب کے ایک شاگرد ابراہیم بن عیسیٰ الیشکری کہتے ہیں میں نے جناب خواجہ حسن بصری سے زیادہ مغموم آدمی نہیں دیکھا۔ جب ان پر نظر پڑتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ کسی زندہ مصیبت میں گرفتار ہیں۔

تصوف کے سلسلے

تصوف کا نام پانے سے پہلے تمام عابدوں اور زاہدوں کو ارباب حدیث کہا جاتا تھا۔ جب لوگوں کو دین کے مسائل پیش آنے لگے اور انہوں نے اپنے مسائل کے حل تلاش کرنے کے لئے ارباب حدیث کی طرف رجوع کیا تو ارباب حدیث میں جن بزرگان دین نے قرآن حکیم، سنت نبوی اور صحابہ کرام کے طرز عمل کی روشنی میں ان کے مسائل کا حل تلاش کر کے پیش کیا انہیں مجتہد یا فقیہہ کہا گیا۔

مجتہدین یا فقہائے کرام ارباب حدیث سے کوئی الگ جماعت نہیں بلکہ انہی بزرگان دین میں سے ایک جماعت کے افراد ہیں جو مسائل کے استنباط کے لئے شرعی نصوص پر قیاسی نتائج حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ امام اعمش ارباب حدیث و فقہائے کے فرق کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔ یامعشر الفقہاء انتم الا طباء ونحن اصیادلہ۔ اے فقیہو تم طبیب ہو اور ہم عطار ہیں ہمارا کام ہے اچھی اچھی دواؤں کا اکٹھا کرنا اور تمہارا کام ہے دوا کی جانچ پڑتال کرنا۔ مرض معلوم کرنا۔ پھر مریض کے مرض اور اس کے مزاج کے مطابق دوا تجویز کرنا۔

مقصد یہ کہ فقہا اور صوفیا علمائے اسلام وہ الگ الگ یا ایک دوسرے

سے متعلقہ گروہ نہیں تھے بلکہ جس طرح سے فقہا صاحبان کے چار فقہی مکتب خیال ہیں یعنی امام ابو حنیفہ نے حنفی مکتب فقہ قائم کیا۔ امام شافعی نے شافعی۔ امام محمد مالک نے مالکی اور امام احمد بن حنبل نے حنبلی گویا حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی فقہ اہل سنت والجماعت کے چار مکتب حق ہیں۔ اسی طرح سے وہ ارباب حدیث جنہیں بعد میں صوفیا کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ علم تصوف کے مختلف طریقے رکھتے ہیں اور وہ سب کے سب اسی طرح مکاتیب راسخ العقیدہ ہیں کہ جس طرح فقہ کے چاروں مسالک مذاہب حقہ ہیں۔

جناب خواجہ حسن بصری اس اعتبار سے تمام ارباب حدیث میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہیں یعنی آپ ایک طرف امام الحدیث تھے دوسری طرف بصرے کے سب سے بڑے فقیہہ بھی۔ آپ نے فقیہہ یا مجتہد کے لئے حسب ذیل شرطیں مقرر کی ہیں۔

اول یہ کہ فقیہہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے یعنی دنیا اس کے نزدیک مقصود بالذات نہ ہو۔ دوم آخرت کے امور پر رغبت رکھے۔ سوم دین میں کامل بصیرت حاصل ہو، چہارم طاعات پر مداومت کرنے والا ہو۔ پنجم مسلمانوں کی بے آبروئی اور ان کی حق تلفی سے بچنے والا ہو۔ ششم اجتماعی مفاد اس کے سامنے رہے۔ یعنی انفرادی و شخصی مفاد پر قومی و اجتماعی مفاد کو ترجیح دیتا ہو۔ ہفتم یہ کہ مال و دولت کا اسے لالچ نہ ہو۔

صوفیوں کے بارے میں آپ نے فرمایا جو شخص تواضع اور انکسار سے صوفیوں کا لباس پشمینہ (اونی کپڑا پہنے گا)۔ اللہ تعالیٰ اس کی آنکھ اور دل کے نور میں اضافہ کر دے گا اور جو شخص غرور و نمائش کے لئے پہنے گا اس کو سرکشوں کے ساتھ جہنم میں جھونک دے گا۔

خواجہ صاحب سے تصوف کے جو سلسلے آگے چلے ان میں سے ایک سلسلے

کو پنج چشت کہتے ہیں۔ دوسرے سلسلہ کو تو قادر کہا جاتا ہے۔ پنج چشت حسب ذیل ہیں۔

1-زیدیہ

یہ سلسلہ حضرت خواجہ حسن بصری کے مرید و خلیفہ اول عبد الواحد بن زید کے نام سے موسوم ہے زید نے 172 ہجری میں وفات پائی۔

2-عیاضیہ

حضرت عبالواحد بن زید کے خلیفہ اول جناب فضیل بن عیاض کے نام سے موسوم ہے۔ عیاض نے 187 ہجری میں انتقال کیا۔

3-ادھمیہ

یہ سلسلہ جناب فضیل عیاض کے خلیفہ اول جناب ابراہیم ادھم سے چلا ابراہیم ادھم نے بادشاہت کو لات مار کر فقیری اختیار کی۔ 162 ہجری میں رحلت ہوئی

4-ہبیرۃ البصری

یہ سلسلہ جناب خواجہ حذیفہ مرعشیؒ کے واسطے سے جناب ابراہیم ادھم تک پہنچتا ہے۔ ہبیرۃ البصری 287ھ میں فوت ہوئے۔

5-چشتیہ

یہ سلسلہ جناب خواجہ اسحاق چشتی کے نام سے موسوم ہے اور یہ خواجہ ممشاد علو دینوری کے واسطے سے ہبیرۃ البصری تک پہنچتا ہے۔ سلسلہ تو قادر کی تفصیل اس طرح سے ہے۔

1-حبیبیہ

یہ سلسلہ جناب خواجہ حسن بصری کے مرید و خلیفہ جناب حبیب عجمی کے

نام سے موسوم ہے۔ حبیب عجمی نے 156ھ میں وفات پائی۔

2۔ طیفوریہ

یہ سلسلہ جناب حبیب عجمی کے خلیفہ و مرید جناب طیفور شامی المعروف بایزید بسطامی کے نام سے موسوم ہے۔ بسطامی نے جناب امام جعفر صادق سے روحانی توجہ حاصل کی اور امام علی موسیٰ رضا سے خرقہ خلافت پایا۔ آپ نے 260 ہجری میں انتقال کیا۔

3۔ کرخیہ

یہ سلسلہ جناب معروف کرخی سے چلا تو حضرت خواجہ داؤد طائی کے واسطے سے جناب حبیب عجمی کے مرید تھے آپ نے 200 ہجری میں وفات پائی۔

4۔ سقطیہ

یہ سلسلہ حضرت معروف کرخی کے مرید و خلیفہ جناب سری سقطی کے نام سے موسوم ہے سری سقطی نے 254 ہجری میں وفات پائی۔

5۔ جنیدیہ

یہ سلسلہ جناب شیخ سری سقطیؒ کے خلیفہ اول جناب جنید بغدادی سے قائم ہوا۔ جناب جنید بغدادی نے 298 ہجری میں انتقال فرمایا۔

6۔ گاؤزرونیہ

یہ سلسلہ جناب جنید بغدادی کے مرید و خلیفہ کے مرید کے مرید جناب ابو خواجہ ممشاد علو دینوری ان کے مرید و خلیفہ حسین ابو علی الاکار ان کے مرید جناب ابو اسحاق گاؤزرونی تھے۔

7۔ طوسیہ

یہ سلسلہ جناب علاء الدین طوسی کے نام سے موسوم ہے۔ طوسی نے

560 ہجری میں وفات پائی۔ آپ جناب وجیہہ الدین ابو حفص عمرو طرطوسی کے مرید خلیفہ تھے طرطوسی جناب خواجہ عبداللہ خفیف کے مرید تھے۔ خفیف، خواجہ احمد دینوری کے، احمد دینوری خواجہ ممشاد علو دینوری کے اور یہ جناب جنید بغدادی کے مرید و خلیفہ تھے۔

8۔ سہروردیہ

یہ سلسلہ جناب خواجہ ابو نجیب، سہروردی کے نام سے موسوم ہے یہ خانوادہ نو واسطوں سے جناب حبیب عجمی تک پہنچتا ہے۔ ابو نجیب جناب طرطوسی کے مرید و خلیفہ تھے آپ نے 523 ہجری میں انتقال کیا۔

9۔ فردوسیہ

جناب ابو النجیب سہروردی کے خلیفہ و مرید جناب نجم الدین فردوسی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ نے 618 ہجری میں انتقال فرمایا۔

سلاسل تصوف

پس معلوم ہوا کہ تصوف کے تمام سلسلے جو حضرت خواجہ حسن بصری سے شروع ہوئے آپ ہی کے واسطے سے جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام تک پہنچتے ہیں۔

ہفت گروہ

بعضوں نے بیان کیا ہے کہ خانوادہ فقر جو حضرت علی کی ذات مبارک سے فیض یاب ہوئے سات ہیں۔ اول امام حسن، دوم امام حسین، سوم خواجہ حسن بصری، چہارم خواجہ کمیل بن زیاد، پنجم، خواجہ اویس قرنی، ششم، قاضی شریح، ہفتم خواجہ عبداللہ علمبردار، پھر ان بزرگوں سے آگے چودہ خانوادے ہوئے۔ بعضوں نے جناب امام حسن اور جناب امام حسین کے بجائے سلمان

فارسی اور ابوذر غفاری کی ذات کو فقر کے ہفت گروہ میں شامل کیا ہے۔

چہار سلسلے

پاک و ہند میں اس وقت جو سلسلے ملتے ہیں وہ صرف چار ہیں۔ 1- چشتی، 2- قادری، 3- سہروردی، 4- نقشبندی، تصوف کے ان چاروں سلسلوں کی حیثیت وہی ہے جو فقہ کے چاروں مذاہب کی ہے۔

چشتی سلسلے نے پاک و ہند میں مقبولیت حاصل کی۔ نقشبندی اور قادری سلسلہ خراسان ماوراء النہر اور مکہ و مدینہ میں مقبول ہوا، سہروردی سلسلہ زیادہ تر توران و کشمیر میں پھیلا۔

امام سفیان ثوری

سفیان، کنیت، ابو عبداللہ، 75 ہجری، کوفے میں پیدا ہوئے آپ کے والد محترم کا نام سعید تھا۔ وہ ثور بن مناۃ کی اولاد سے تھے اسی لئے آپ سفیان ثوری کے نام سے مشہور ہیں۔

حافظ ابن حجر اور خطیب بغدادی نے آپ کے حالات نہایت تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں آپ کا مختصراً تعارف یہ ہے کہ آپ آئمہ فقہ و ارباب حدیث میں گل سر سبد کی حیثیت رکھتے ہیں علم و فضل اور زہد و اتقا میں آپ ضرب المثل تھے۔ آپ کے بارے میں تمام تذکرہ نویسوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا ان کی طرف بڑھی مگر آپ نے دنیا سے نظر پھیر لی۔

دارا شکوہ نے سفینۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ آپ جناب امام اعظم ابو حنیفہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ لیکن یہ بیان درست نہیں جناب ابو حنیفہ 80ھ میں پیدا ہوئے اس حال میں کوئی کیونکہ دارا شکوہ کا بیان صحیح تسلیم کر سکتا ہے۔

جناب امام اعظم کے نزدیک سفیان ثوری کا بڑا بلند مرتبہ تھا ایک مرتبہ کسی شخص نے امام اعظم سے کہا آپ نے سنا نہیں کہ سفیان ثوری نے کیا روایت

کی ہے؟ امام نے فرمایا کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ سفیان حدیث کی تلاوت میں غلطی کرتے ہیں تجد اوہ ابراہیم نخعی (امام اعظم کے استاد) کے زمانے میں بھی ہوتے۔ تو بھی لوگ حدیث میں ان کے محتاج ہوتے۔

واقعہ یہ ہے کہ امام سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام مالک ان کے علاوہ خواجہ حسن بصری کے اکثر تلامذہ جناب امام اعظم کے معاصرین میں سے ہیں۔ جناب سفیان ثوری کو ہم عصر ہونے کے علاوہ اس بات کا بھی فخر حاصل ہے کہ امام اعظم کے اکثر شاگردوں نے آپ سے حدیث پڑھی ہے۔ مثلاً امام محمد بن حسن کہ امام اعظم کے شاگرد ہیں جناب سفیان ثوری سے بھی پڑھتے رہے ہیں اور ایک امام محمد کیا اور بھی بہت سے ہیں جنہوں نے آپ سے پڑھا۔ سیرت نگاروں نے جا بجا اس کا ذکر کیا ہے۔ اصل میں جناب امام سفیان ثوری کے استاد مشہور تابعی جناب ہشام بن عروہ ہیں۔ امام سفیان ثوری کے علاوہ امام مالک اور سفیان ابن عیینہ بھی انہی کے شاگرد ہیں۔

جناب ہشام بن عروہ کے علاوہ امام سفیان ثوری نے سلیمان بن مہران معروف بہ اعمش سے بھی استفادہ کیا ہے۔ جناب اعمش نے انس بن مالک صحابی سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے اور عبداللہ بن اوفیٰ سے انہوں نے حدیث سنی ہے۔

جناب اعمش سے امام سفیان ثوری کے علاوہ جناب امام شعبہ نے بھی زانوئے تلمذ تہ کیا ہے۔ یہ شعبہ وہی بزرگ ہیں جن سے امام اعظم جناب ابو حنیفہ نے فتوے اور روایت کی اجازت حاصل کی، انہوں نے 160ھ میں وفات پائی۔ سفیان ثوری نے آپ کو امام الحدیث تسلیم کیا ہے اور آپ کے انتقال پر کہا کہ آج شعبہ پر فن حدیث ختم ہوا۔ معلوم نہیں امام اعظم کو استاد دارا شکوہ نے کس بنیاد پر لکھا ہے۔

تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ جناب سفیان ثوری کے مزاج میں دنیا اور دنیا والوں سے بے انتہا بے نیازی تھی جس زمانے میں منصور عباسی نے امام

اعظم کو بغداد کا قاضی مقرر کرنا چاہا انہیں دنوں اس کی نگاہِ انتخاب میں آپ بھی آ گئے تھے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ اور امام اوزاعی کے ساتھ آپ کو بھی دربار میں طلب کیا گیا۔

امام سفیان ثوری کے بارے میں امام الحدیث سفیان بن عیینہ کا قول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان سے بڑھ کر کوئی شخص تقوے میں نہیں دیکھا چنانچہ امام خود بھی فرماتے ہیں کہ میں نے مسلسل تیس برس جاگ کر علم کے حصول کے لئے کوشش کی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی جو حدیث مجھ تک پہنچی ہے میں نے اس پر عمل کیا ہے اور ایسی ایک بھی حدیث نہیں جسے میں نے سنا ہو اور اس پر عمل نہ کیا ہو۔

سفیان ثوری کو اگر ان کی سیرت کے آئینہ میں دیکھا جائے تو آپ مجسم علم نظر آئیں گے اور علم بھی وہ کہ جس کا دوسرا نام صرف عمل ہے۔

امام سفیان ثوری بڑے درویش صفت عالم اور تصوف کے سلسلے کے بہت اونچے بزرگ تھے، انہیں اللہ پر توکل تھا فقر و غنا کی دولت حاصل تھی ان کی زندگی کی یہ سب سے بڑی خصوصیت تھی کہ انہوں نے کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ لوگ اکثر تحفے تحائف لے کر ان کی خدمت میں پہنچتے اور آپ نہایت بے پروائی کے ساتھ واپس کر دیتے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے اس بات کا یقین کامل ہو جائے کہ اس دنیا میں کوئی شخص کسی آدمی کا محتاج نہیں تو میں ضرور لوگوں کے تحفے قبول کر لوں اور جو کچھ وہ لاتے ہیں وہ لے لوں یا ان سے کوئی شے طلب کر لوں لیکن جب میں دیکھتا ہوں کہ بادشاہ ہو یا فقیر امیر ہو یا غریب ہر شخص ایک دوسرے کا محتاج ہے اور ہر آدمی ضرورت مند ہے کوئی شخص کسی کا حاجت روا نہیں تو پھر میں کیوں کسی سے کچھ مانگوں اور طلب کر کے اس کا احسان اٹھاؤں میں کیوں نہ اس کی بارگاہ سے مانگوں اور سوال کروں جو کبھی کسی کے سوال کو رد نہیں کرتا اور کبھی

اپنی نعمتیں عطا کرتے کرتے نہیں تھکتا۔

کہتے ہیں ایک نوجوان حج کو چلا لیکن راستے میں کسی مجبوری نے اسے روک لیا۔ اسے حج کی سعادت سے محروم ہو جانے کا بڑا قلق تھا۔ اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری جناب سفیان ثوری اس کے پاس کھڑے تھے آپ نے اس نوجوان سے فرمایا میں نے چار حج کیے ہیں۔ جاؤ ان کا ثواب تجھے بخشا لیکن ایک آہ جو تو نے بھری ہے وہ مجھے دے دے۔

آپ فرماتے ہیں کہ صرف ٹاٹ کے کپڑے پہننے اور جو کی روٹی کھانے کا نام فقر نہیں اور نہ اسے زہد و عبادت ہی کہا جا سکتا ہے بلکہ فقر نام ہے دنیا میں رہ کر دنیا سے دور رہنے کا ممکن ہے بعض کو غلط فہمی ہو کہ جناب سفیان ثوری رہبانیت یا دنیا سے ترک تعلق کرنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ نہیں ان کا مطلب صرف یہ ہے بقول شاعر

بہ گیر رسم تعلق دلا ز مرغابی
کہ از آب چو برخاست خشک پر برخاست

یعنی انسان دنیا میں اس طرح سے رہے جیسے مرغابی پانی میں رہتی ہے کہ جب پانی سے باہر نکلتی ہے پر خشک ہوتے ہیں۔

امام سفیان ثوری نے تمام عمر قرآن و حدیث کا درس دیا ہے جس شان کی کتاب موطا امام مالک نے لکھی اور سفیان عیینہ نے الجوامع فی السنن والآداب لکھی قریب قریب اسی شان کی کتاب امام سفیان ثوری فی الجامع الکبیر فی الفقہ والا حادیث لکھی ہے۔

امام سفیان کا یہ قول بہت مشہور ہے کہ انسان جس حال میں بھی رہے خدا کا شکر ادا کرتا رہے اگر اس پر کوئی آفت بھی آ جائے تو خدا سے اس کا شکوہ نہ کرے اور نہ خدا کو کوئی الزام ہی دے۔

امام سفیان ثوری نے 2 شعبان 163 ہجری میں انتقال کیا اور بصرے میں

مدفون ہوئے۔

آپ کے حالات زندگی میں جیسا کہ منصب قضا قبول کرنے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اللہ والوں کی نگاہ میں دنیا کی کوئی وقعت نہیں۔

منصور نے منصب قضا تفویض کرنے کے لئے جن بزرگوں کے ساتھ سفیان ثوری کو بھی طلب کیا تھا اس سے ان کی گوشہ نشینی شہرت دنا موری اور دنیا سے بے تعلق رہنے کا ایک اندازہ ہوتا ہے۔ ہر چند سفیان ثوری اس ذمہ داری کو قبول نہیں کرنا چاہتے تھے مگر حکم حاکم مرگ مفاجات دربار میں حاضر ہوئے لیکن بجائے اس کے کہ منصور سے صریحاً انکار کر کے خدا واسطے کا بیر مول لیتے انہوں نے یہ کیا کہ وہاں پہنچ کر بہکی بہکی باتیں کرنا شروع کر دیں نتیجہ یہ نکلا کہ دیوانہ خیال کئے گئے اور منصب کے قبول کرنے سے رہائی مل گئی۔

اس واقعہ سے یہ اندازہ نہ لگا لیجئے۔ آپ صاف بات کہنے کی اپنے اندر طاقت نہیں رکھتے تھے۔ آپ کی دلیری و بے باکی تو یہ تھی کہ بڑے بڑے بادشاہوں کے سامنے کھری کھری اور بے لاگ باتیں کہنے سے کبھی نہیں جھجکے، بلکہ چاہتے یہ تھے کہ اس معاملے میں ایسی چال چلی جائے کہ جس سے بگاڑ بھی نہ ہو اور بات بھی بن جائے۔ ورنہ طبیعت کی جرات کا عالم تو یہ تھا کہ ایک مرتبہ مسجد حرام میں منصور سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اس نے ان کا ہاتھ پکڑا اور کعبہ کی طرف منہ کر کے کہا۔ قسم ہے آپ کو اللہ کے اس گھر کی، سچ سچ کہئے کہ آپ نے مجھے کیسا پایا؟ آپ نے فوراً بے دھڑک جواب دیا۔ قسم ہے اس گھر کے رب کی۔ میں نے تجھے بدترین آدمی پایا۔

ایک مرتبہ حج کے دنوں میں خلیفہ مہدی سے ملاقات ہوئی جب لوگ اس کی تعریف اور توصیف میں لگے ہوئے تھے اور اس کی خوبیاں بیان ہو رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا اے خلیفہ عمر ابن خطاب نے حج کیا تو صرف سترہ دینار

خرچ کئے اور تو نے حج کیا ہے تو سارا بیت المال ہی خرچ کر ڈالا۔ کہتے ہیں مہدی یہ سن کر بہت خفا ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جلد ہی جناب سفیان ثوری پر دنیا تنگ ہو گئی۔ یہاں تک کہ انہیں اپنی جان بچانے کے لئے غریب الوطن ہونا پڑا اور غربت ہی میں آپ نے انتقال کیا۔

جناب سفیان ثوری کی آزادی و بے باکی کا اس واقعہ سے بھی ایک اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جن دنوں شام میں کوئی حضرت علی کا نام تک نہیں لیتا تھا۔ یہ ان دنوں وہاں حضرت علی کے فضائل بیان کرتے اسی طرح عراق پہنچے جہاں حضرت عثمانؓ کا کوئی نام لینے والا نہیں تھا۔ تو یہاں حضرت عثمانؓ کے مناقب کا ذکر کرتے اسی طرح کوفے میں حضرت ابوبکر صدیق اور بصرے میں جناب عمر فاروق کے محامد و مناقب بیان کرتے کہ یہاں کوئی صدیق و فاروق کا نام نہیں لیتا تھا۔

امام احمد بن حنبل نے جناب سفیان ثوری ہی کے شاگردوں سے تعلیم پائی ہے سفیان کی بیشتر حدیثوں کا حصہ انہیں ازبر تھا۔ اگرچہ انہیں سفیان کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا تاہم معنوی لحاظ سے جناب امام اگر انہیں اپنا استاد سمجھتے ہیں تو حق بجانب ہیں۔

ایک مرتبہ کسی نے امام احمد بن حنبل سے دریافت کیا کہ امام کون ہیں؟ فرمایا امام ایک ہی ہیں اور وہ ہیں سفیان ثوری خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ ان کے درس کی سب سے پہلی مجلس خراسان میں قائم ہوئی اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ المختصر کہ جناب امام سفیان ثوری علم و عمل کے اعتبار سے بہت بلند مرتبہ کے بزرگ تھے۔ ان کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا بہت دشوار ہے کہ ان کا مرتبہ علم و فضل کے لحاظ سے زیادہ بلند تھا۔ یا سیرت اور کردار کے لحاظ سے۔

حضرت شیخ بو علی قلندرؒ

حضرت رابعہ بصری کو عام طور پر قلندری کہا جاتا ہے' مناسب ہے کہ آپ حضرت شیخ بو علی قلندر کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں۔

نام شیخ شرف الدینؒ اور لقب بو علی قلندر تھا۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی اولاد سے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

شیخ شرف الدین بو علی قلندر بن سالار فخر الدین بن سالار حسن بن سالار عزیز بن ابو بکر غازی بن فارس بن عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم بن محمد بن دانک بن امام اعظم ابو حنیفہؒ

والد ماجد 600ھ میں عراق سے ہندوستان آئے۔ وہ بڑے تبحر اور جید علم تھے۔ ان کی پہلی شادی حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ ملتانی کی دختر نیک اختر سے ہوئی لیکن وہ لاولد فوت ہو گئیں۔ ان کے بعد مولانا سید نعمت اللہ صاحب ہمدانی کی ہمشیرہ بی بی حافظہ جمال سے عقد ہوا' جو حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر کی ماں تھیں۔

شیخ بو علی قلندر 605ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ کم سنی میں تمام علوم ظاہری حاصل کیے اور بیس برس تک دہلی میں قطب مینار کے پاس ان کے درس و تدریس کا فیض جاری رہا۔ دہلی کے اکابر علماء قطب الدین' مولانا وجیہہ الدین پائلی' قاضی ظہور الدین بجواری' قاضی حمید الدین صدر شریعت' مولانا فخر الدین پائلی وغیرہ ان کے علمی تبحر اور فضیلت کے معترف تھے۔ لیکن جب تصوف کے کوچہ میں قدم رکھا اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہوئے تو جذب و سکر کی حالت میں علوم و فنون کی تمام کتابوں کو دریا میں ڈال کر جنگل کی راہ لی۔ اور پانی پت کے مضافات بالگونی اور کرنال کے نواح بڑھا کھیڑا میں آخر وقت تک مقیم رہے۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ معارج الولایت کے مؤلف

نے شیخ بو علی قلندر کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا خلیفہ لکھا ہے لیکن ان کی ارادت اور خلافت حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء کی طرف سے بھی منسوب ہے۔ اخبار الاخیار میں ہے۔

"بعض کہتے ہیں کہ آپ خواجہ بختیار کاکیؒ کے حلقہ ارادت میں تھے اور بعضوں کی رائے ہے کہ آپ شیخ نظام الدین اولیاء سے عقیدت رکھتے تھے اور ان کی ہر دو روایات کی صحت کا ثبوت نہیں ملتا۔"

ایک روایت ہے کہ سکر اور مستی میں ایک بار مونچھیں شرعی حدود سے بڑھ گئی تھیں۔ کسی کو تراشنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ان کے ہم عصر بزرگ مولانا ضیاء الدین سنامی کو شریعت کی پابندی کا بڑا جوش تھا۔ انہوں نے شیخ کی ریش مبارک کو پکڑ کر مونچھوں کو شرعی حد کے مطابق تراش دیا۔ جب وہ تراش کر تشریف لے گئے تو شیخ بو علی قلندر اپنی داڑھی کو پکڑ کر بار بار فرماتے' یہ ریش کیسی مبارک ہے کہ شرع محمدی کی راہ میں پکڑی گئی۔

کہا جاتا ہے کہ شیخ بو علی قلندر کے قیام پانی پت کے زمانہ میں شمس الاولیاء حضرت خواجہ شمس الدین ترک اپنے خلیفہ تاج الاولیاء حضرت خواجہ علاؤ الدین صابر رحمتہ اللہ علیہ کے حکم سے یہاں آکر قیام پذیر ہوئے۔ حضرت خواجہ شمس الدین ترکستان کے سادات تھے اور حضرت خواجہ احمد یسوی کے فرزند تھے۔ جن کا سلسلہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ خواجہ شمس الدین علوم نقلی و عقلی کی تعلیم پانے کے بعد علم سلوک کی طرف مائل ہوئے اور ماوراء النہر کے بہت سے بزرگوں کی صحبت میں رہے۔ مگر جب کہیں تشنگی نہ بجھی' تو مرشد کامل کی طلب میں ہندوستان کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ ملتان پہنچ کر حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تربیت پانے کے بعد وہاں سے حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی ہدایت کے مطابق کلیر شریف پہنچے۔ شیخ علاؤ الدین صابرؒ نے ان کو دیکھ کر

فرمایا کہ "شمس الدین تو میرا بیٹا ہے۔ میں نے خدا سے التجا کی ہے کہ ہمارا یہ سلسلہ تمہارے ذریعے جاری ہو اور قیامت تک جاری رہے۔" انہوں نے اپنی چہار ترکی کلاہ ان کے سر پر رکھ دی۔

آپ گیارہ سال تک پیر دستگیر کی خدمت میں رہے۔ مرشد کو اپنے ہاتھوں سے نہلاتے، وضو کراتے، ان کے لئے جنگلوں سے لکڑیاں لا کر کھانا پکاتے اور خود فقر و فاقہ سے مجاہدہ و ریاضت میں مشغول رہتے۔ مرشد سے علوم سینہ کی تحصیل کے بعد پانی پت میں قیام کرنے کا حکم ملا۔ لیکن روحانی طور پر اس مقام کا بار اٹھانے کی صلاحیت نہیں پائی۔ اس لئے مرشد کی اجازت سے مزدوری کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس وقت سلطان غیاث الدین بلبن کا دور حکومت تھا۔ دہلی آکر اس کی فوج میں سواروں کے زمرہ میں داخل ہو گئے۔ کچھ دنوں میں ان کے پاس کافی دولت ہو گئی لیکن امارت کی کسی چیز سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ شب و روز ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔

سیر الاقطاب کے مؤلف لکھتے ہیں کہ

"ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین بلبن نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا۔ ایک زمانہ اسی حالت میں گزر گیا اور قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ اسی دوران ایک رات ایسی سخت آندھی آئی اور بارش ہوئی کہ سپاہیوں اور امرائے اسلام کے خیمے گر پڑے۔ بارش تیزی سے جاری رہی۔ سخت سردی پڑنے لگی اور کسی جگہ آگ باقی نہیں رہی۔ قلعہ سقہ بادشاہ کے وضو کا پانی گرم کرنے کے لئے آگ کی تلاش میں نکلا۔ دفعتاً دور سے دیکھا کہ ایک خیمہ میں چراغ جل رہا ہے اور وہ خیمہ حضرت (یعنی خواجہ شمس الدین ترک) کا تھا۔ سقہ دوڑتا ہوا خیمہ کے پاس گیا۔ دیکھا کہ ایک فقیر کلام مجید کی تلاوت کر رہا ہے۔ حضرت کے خوف سے وہ آگ تک نہ جا سکا۔ حضرت نے سر اٹھایا اور فرمایا کہ اے بھائی! آؤ اور

جتنی آگ چاہتے ہو لے جاؤ۔ وہ سامنے آیا اور ایک لکڑی سے آگ جلائی اور لوٹ گیا۔ اس واقعہ سے سقہ کو بے قراری تھی۔ صبح کے وقت مشک لے کر اس خیمہ کی طرف چلا اور جب اس کے پاس پہنچا تو حضرت کو وہاں نہ پاکر حیران ہوا۔ وہاں سے واپس آکر ایک تالاب پر جو لشکر گاہ کے پاس تھا گیا، دیکھا کہ ایک نیک بزرگ وضو کر رہے ہیں۔ غور کیا تو وہی پاک صورت نظر آئی جن کے چراغ سے رات کو آگ جلا کر لے گیا تھا۔ یہ دیکھ کر ایک گوشہ میں کھڑا رہا۔ سقہ نے اسی جگہ سے مشک میں پانی بھر لیا۔ باوجودیکہ جاڑے کا زمانہ تھا اور ہر جگہ پانی جم گیا تھا لیکن جس جگہ حضرت نے وضو کیا وہاں کا پانی اس قدر گرم تھا، گویا کسی نے ابھی گرم کیا ہے۔ اس کو لے کر اپنے کارخانہ میں گیا اور اپنی عقل سے معلوم کیا کہ یہ سب کچھ اسی مرد خدا کی عظمت و برکت کے سبب ہوا ہے، لیکن اس راز کو کسی سے ظاہر نہیں کیا۔ دوسرے دن حضرت کے پہنچنے سے پہلے جب دو چار گھڑی رات رہ گئی تھی، تالاب پر پہنچا اور پانی کو دیکھا کہ جما ہوا ہے۔ قریب ہی ایک درخت تھا، اس کے پیچھے چھپ گیا۔ یہاں تک کہ حضرت تشریف لائے۔ ان کے پہنچنے کے ساتھ ہی تالاب کے پانی نے جوش مارا۔ حضرت نے وضو کیا اور نماز ادا کر کے اپنے خیمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ سقہ نے گرم پانی کو مشک میں بھرا اور سلطان غیاث الدین بلبن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت جب سلطان دربار عام میں بیٹھا ہوا تھا، سقہ نے فریاد کی۔ سلطان نے اس کو بلا کر استفسار کیا، اس نے عرض کی اگر جہاں پناہ میرے راز کو خلوت میں سنیں تو گزارش کروں۔ سلطان نے اس کا موقع دیا اور سقہ نے حضرت کا تمام حال بیان کیا۔ سلطان سن کر متحیر ہوا اور اپنی خوابگاہ میں اس کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ جب رات ہو گئی تو سلطان خیمہ کے اندر چلا گیا اور دروازہ کی کنجی سقہ کے حوالے کر دی۔ جب تین چار گھڑی رات باقی رہ گئی، تو سقہ نے دروازہ کھول کر

سلطان کو جگا دیا۔ سلطان مسلح ہو کر باہر نکلا اور سقہ کے ساتھ پاپیادہ تالاب پر پہنچا۔ پانی کو دیکھا تو بالکل سرد تھا۔ وہ چھپ کر وہیں بیٹھ گیا یہاں تک کہ حضرت تشریف لائے۔ ان کے پہنچتے ہی حسب معمول پانی میں جوش آ گیا۔ جس کو سلطان نے خود دیکھا۔ حضرت نے وضو کر کے نماز ادا کی۔ اور اپنے خیمہ کی طرف تشریف لے چلے۔ سلطان نے پانی کو دیکھا تو گرم تھا۔ وہ متحیر ہوا اور حضرت کے پیچھے پیچھے چلا۔ حضرت خیمہ میں پہنچ کر قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ سلطان دست بستہ وہیں کھڑا رہا۔ جب وہ تلاوت سے فارغ ہو چکے' تو بادشاہ کو دیکھ کر تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے اور سلام کیا۔ سلطان نے اظہار ادب کر کے عرض کیا کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے دوست میرے عہد میں موجود ہیں لیکن اس کے باوجود ہزار افسوس ہے کہ ابھی تک یہ قلعہ فتح نہیں ہو سکا۔ حضرت نے ہر چند اپنے کو چھپانے کی کوشش کی لیکن بے سود تھا۔ مجبوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فاتحہ پڑھ کر فرمایا کہ اسی وقت حملہ کیا جائے۔ انشاء اللہ فتح ہو گی سلطان خوش خوش رخصت ہوا اور لشکر میں پہنچ کر اسی وقت حملہ کیا۔ قلعہ فتح ہو گیا۔ سلطان جب مسرت سے معمور اپنے فتح مند لشکر میں پہنچا تو دوسرے دن برہنہ پا حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ حضرت نے اپنے نور باطن سے اس کا ارادہ معلوم کر لیا۔ حضرت نے اپنے تمام اسباب و مال و متاع فقرا کو دے دیا اور کمبل اوڑھ کر لشکر سے چل کھڑے ہوئے۔ اپنے پیر دستگیر کی خدمت میں پہنچے۔ کچھ دنوں وہاں رہ چکے تو پانی پت میں مامور کئے گئے۔''

گو ہم اپنے موضوع سے کچھ الگ ضرور ہو رہے ہیں لیکن یہ اس لئے کہ ناظرین کو اندازہ ہو جائے کہ سلطان بلبن کو اولیا اللہ سے کیسی عقیدت تھی۔ تاریخوں میں اس کی دین داری' خدا ترسی اور عبادت گزاری کی بڑی تعریف کی

گئی۔ مولانا ضیاء الدین برنی رقم طراز ہیں:

''وہ (یعنی سلطان بلبن) عبادت' ریاضت' روزے' نوافل اور شب بیداری میں غیر معمولی اہتمام کرتا۔ جمعہ کی نماز' نماز باجماعت' اشراق و چاشت' اوابین اور تہجد کی پابندی کرتا' خواہ کوئی موسم ہو رات کو جاگتا۔ سفر و حضر میں اوراد و وظائف کو نہ چھوڑتا۔ کبھی بے وضو نہ رہتا۔ علماء کے بغیر کھانا نہ کھاتا۔ سفر و حضر میں علماء سے دینی مسائل پوچھتا اور اس وقت بحث و مباحثہ بھی ہوتا۔ علماء و مشائخ کی بے حد تعظیم کرتا اور بزرگان دین کی ملاقات کے لئے ان کے آستانوں پر حاضری دیتا۔ شہر کے سادات' مشائخ و علماء میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا تو خود ان کے جنازہ میں شریک ہوتا۔ سوئم میں حاضر ہو کر ان کے ورثاء کو خلعت دیتا۔ جاگیر اور وظیفہ مقرر کرتا۔ وہ اپنے لشکر کے قاضیوں کی بھی بڑی عزت کرتا جو اپنے تقویٰ اور دینداری کے لئے ممتاز ہوتے اور وہ سلطان سے جس بات کی سفارش کرتے اس کو وہ ضرور قبول کرتا۔''

لیکن اس زہد و عبادت اور سلامت روی کے باوجود وہ ایک مسلمان حکمران کے فرائض سے غافل نہیں رہنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اپنے لڑکوں اور خاص خاص لوگوں سے سید نور الدین کے اس وعظ کا ذکر بار بار کرتا جو انہوں نے سلطان شمس الدین التمش کے سامنے کیا تھا۔ یہ وعظ طویل ہے لیکن اس کا ایک حصہ یہ کہ اگر ایک بادشاہ روزانہ ہزار رکعت نماز پڑھتا رہے' تمام عمر روزے رکھتا رہے گناہوں سے بچتا رہا لیکن وہ دین کی حمایت نہ کرتا ہو' اپنی سطوت کو خدا اور رسولؐ کے دشمنوں کے قلع قمع کرنے میں صرف نہ کرتا ہو' شریعت کے احکام کو جاری نہ کراتا ہو' اپنے ملک میں امر معروف کو جاری کرانے اور انہیں عن المنکر کو مٹانے میں کوشاں نہ رہتا ہو اور عدل و انصاف سے کام نہ لیتا ہو تو اس کی جگہ دوزخ کے سوا اور کوئی نہ ہو گی۔ مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ بلبن جب وعظ کے اس حصے کو بیان کرتے تو زار و قطار رونے لگتا۔

جب حضرت شمس الدین ترک پانی پتی کا نزول اجلال پانی پت میں ہوا تو دودھ سے بھرا ہوا پیالہ اپنے خدام کے ہاتھ شیخ بو علی قلندر کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ بو علی قلندرؒ خادم کو دیکھ کر مسکرائے۔ گلاب کے چند پھول ان کے سامنے پڑے تھے، ان کی پنکھڑیاں دودھ میں ڈال کر اسے حضرت شمس الدین ترکؒ کے پاس واپس کر دیا۔ وہ پیالے میں گلاب کی پتیاں دیکھ کر متبسم ہوئے۔ حاضرین مجلس نے تبسم کی وجہ پوچھی، فرمایا کہ شیخ بو علی قلندرؒ کے پاس دودھ سے بھرا ہوا پیالہ بھیجنے سے مراد یہ تھی کہ یہ ملک میرے شیخ نے مجھ کو عطا کیا ہے، جو مجھ سے پر ہو گیا ہے۔ شیخ بو علی قلندرؒ نے گلاب کی پنکھڑیاں ڈال کر دودھ کا پیالہ واپس کر دیا تو اس سے میراد یہ ہے کہ وہ میرے ملک سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے اور یہاں اسی طرح رہیں گے جس طرح دودھ میں گلاب کی پنکھڑیاں ہیں۔ شیخ بو علی قلندرؒ سے پوچھا گیا تو انہوں نے بھی یہی فرمایا۔ چنانچہ دونوں میں آخر وقت تک اخلاص اور محبت قائم رہی۔

کبیر الاولیاء حضرت شیخ جلال الدینؒ محمود پانی پتی شیخ بو علی قلندرؒ کے فیض نظر سے راہ طریقت پر گامزن ہوئے۔ ایک دن شیخ بو علی قلندرؒ سر راہ بیٹھے ہوئے تھے کہ کم سنی کے زمانہ میں شیخ جلال الدین گھوڑے پر سوار ادھر سے گزرے۔ ان کو دیکھ کر شیخ بو علی قلندر نے فرمایا "زہے اسپ وزہے سوار" کانوں میں یہ آواز پڑتے ہی شیخ جلال الدین بے خود ہو گئے۔ گھوڑے سے اتر پڑے اور اسی وقت گریبان چاک کر کے جنگل کی راہ لی۔ چالیس سال تک جنگل میں پھرتے رہے۔ اس درمیان میں مختلف درویشوں اور فقیروں کی صحبت اختیار کی۔ پھر جب وطن واپس آئے، تو شیخ بو علی قلندر سے بیعت کے لئے مصر ہوئے۔ شیخ نے فرمایا۔

اے فرزند عزیز! کشائش تو موقوف بر مرد دیگر است" ترجمہ: اے

فرزند عزیز!

تمہاری مشکل ایک دوسرے مرد کی وساطت سے حل ہوگی۔

چنانچہ جب حضرت شمس الدین ترکؒ پانی پتی کا ورود مسعود پانی پت میں ہوا تو شیخ بو علی قلندرؒ نے شیخ جلال الدین رحمتہ اللہ علیہ کو ان کے پاس ارادت کے لئے بھیجا، جو آگے چل کر ان کے خلیفہ ہوئے۔ سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت خواجہ بو علی قلندر سے بڑی عقیدت تھی۔ وہ ان کے حلقہ ارادت میں بھی شامل ہو گیا تھا اور بزرگان دین ہی کی صحبت کا شاید یہ اثر تھا کہ اس میں حلم، نرمی اور خدا ترسی کے اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔ مگر ان خوبیوں کے باوجود حضرت سیدی مولہ کا خون اس کے سر پہ ہے۔ گو اس واقعہ کی تفصیل ہمارے موضوع سے متعلق نہیں لیکن ناظرین کو اس سے دلچسپی ہوگی، اس لئے اس کو مجملاً مولانا ضیاء الدین برنی کی زبانی بیان کرتے ہیں۔

"سیدی مولہ ایک درویش تھے، جو سلطان بلبن کے عہد میں ولایت ملک بالا سے شہر (یعنی دہلی) میں آئے۔ وہ عجیب طریقے رکھتے تھے، خرچ کرنے اور کھانا کھلانے میں بے نظیر تھے لیکن جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں آتے تھے۔ گو وہ نماز کے پابند تھے، مگر جماعت کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتے تھے، جس کی پابندی تمام بزرگان دین نے کی ہے، وہ مجاہدہ و ریاضت بہت کرتے تھے، جامہ اور چادر پہنتے، چاول کی روٹی معمولی سالن سے کھاتے تھے۔ ان کے پاس کوئی عورت، کنیز اور خدمت گار نہ تھا اور نہ وہ کسی نفسانی خواہش میں مبتلا تھے۔ کوئی کچھ دیتا تو اس کو قبول نہ کرتے۔ لیکن ان کے اخراجات اتنے تھے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔ عام خیال تھا کہ وہ علم کیمیا جانتے ہیں۔ اپنے دروازہ کے سامنے میدان میں انہوں نے ایک خانقاہ بنوائی تھی۔ اس کی تعمیر میں ہزاروں روپے خرچ کئے تھے۔ اس خانقاہ میں بڑی مقدار میں کھانا پکتا تھا۔ بری د

بحری سفر کرنے والے مسافر یہاں آکر مقیم ہوتے تھے اور ان کو دو وقت کھانا ملتا تھا، کھانا ایسا ہوتا تھا کہ اس زمانہ کے خوانین وملوک کو میسر نہ تھا۔ خانقاہ میں ہزاروں من میدہ خرچ ہوتا تھا۔ پانچ سو جانور ذبح کئے جاتے تھے۔ دو تین سو من شکر اور سو دو سو من نبات خریدی جاتی تھی۔ خانقاہ کے سامنے آدمیوں کا ایک ہجوم رہتا تھا۔ ان کے پاس (یعنی حضرت سیدی مولہ) نہ کوئی گاؤں تھا اور نہ ان کو شاہی وظیفہ ملتا تھا اور نہ وہ کسی سے فتوح قبول کرتے تھے۔ جب کسی سے کوئی چیز خریدتے یا کسی کو کچھ رقم دینا چاہتے تو کہتے کہ جاؤ، فلاں پتھر یا اینٹ کے نیچے جا کر اتنے نقرئی ٹنکے لے لو۔ وہ جاتا تو واقعی اینٹ یا پتھر کے نیچے یا طاق میں طلائی اور نقرئی سکے مل جاتے۔ یہ سکے ایسے ہوتے جیسے دار الضرب سے بالکل نئے نکلے ہوں۔"

آگے چل کر مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں :-

"حضرت سیدی مولہ کی خانقاہ کے اخراجات سلطان جلال الدین خلجی کے عہد میں اور بھی زیادہ بڑھ گئے تھے۔ سلطان جلال الدین کا بڑا لڑکا خانخاناں ان کا معتقد ہو گیا تھا وہ اپنے کو حضرت سیدی مولہ کا بیٹا کہتا تھا۔ امراء اور حکام کی آمد ورفت ان کے پاس بڑھ گئی تھی۔ قاضی جلال کاشانی نے جو اس زمانہ کا بڑا قاضی تھا لیکن فتنہ انگیز تھا، سیدی سے تعلقات پیدا کئے دو دو تین تین راتیں خانقاہ میں بسر کرتا اور وہاں کے لوگوں سے گفتگو کرتا۔ بلبن کے عہد کے ملک زادے جو امراء اور ملوک کی اولاد سے تھے، اس گفتگو میں شریک رہتے۔ یہ سب عہد جلالی میں بالکل بے سروسامان، بے اقطاع اور بے چشم ہو گئے تھے۔ برنج تن اور ہتھیار پایک کے کوتوال جو آزادوں اور پہلوانوں کے گروہ میں تھے اور بلبنی عہد میں ایک لاکھ جیتل وظیفہ پاتے تھے، بے وظیفہ ہو گئے تھے۔ بعض دوسرے اکابر جو عہدوں سے معزول کر دیئے گئے تھے۔ سیدی کی خانقاہ میں آکر رات کو سوتے اور ان سے کچھ چیزیں

پاتے۔ لوگ سمجھتے کہ ان اکابر کی آمد ورفت محض حصول برکت کے لئے ہوتی ہے۔ لیکن معلوم ہوا کہ قاضی جلال کاشانی، خانزادے، ملک زادے، برنج تن اور ہتھیار پایک کے کوتوال رات کو سیدی کے پاس بیٹھ کر فتنہ انگیزی کا مشورہ کرتے ہیں۔ چنانچہ برنج تن اور ہتھیار پایک کے کوتوال نے ارادہ کیا کہ جمعہ کے روز جب نماز کے لئے سلطان جلال الدین کی سواری نکلے تو اس پر حملہ کر دیا جائے اور سیدی کو خلیفہ بنا کر ان کا نکاح سلطان ناصر الدین کی لڑکی سے کر دیا جائے اور قاضی جلال کو قاضی خان کا عہدہ اور ملتان کا اقطاع دار مقرر کیا جائے۔ اسی طرح اور اقطاعات ملک زادوں اور خان زادوں میں تقسیم کر دی جائیں۔ ان بے کار لوگوں میں سے ایک شخص نے جو مشورے میں شریک تھا، ان سے منحرف ہو کر یہ تمام خبریں سلطان جلال الدین تک پہنچا دیں۔ سیدی اور ان کے تمام ساتھی متہم کر کے سلطان کے سامنے لائے گئے۔ سلطان نے تفتیش کرنی چاہی تو سب نے انکار کر دیا۔ اس زمانہ میں یہ رواج نہ تھا کہ انکار کرنے والوں سے لات اور ڈنڈے کے ذریعہ اقرار کیا جاتا۔ چنانچہ "دب" کے لئے حکم جاری کیا گیا۔ سلطان اور دوسرے لوگوں کو سازش کا پورا یقین تھا، لیکن سازش کرنے والے منکر تھے۔ دوسرا کوئی ثبوت نہ تھا اور ان پر کوئی حکم نافذ نہ کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے بہادر پور کے میدان میں آگ روشن کی گئی۔ سلطان ملوک اور خوانین کے ساتھ وہاں پہنچا۔ ایک کوشک خاص نصیب کیا گیا۔ سلطان نے شہر کے تمام اکابر علماء ومشائخ کا محضر طلب کیا۔ اس میدان میں شہر کے خواص و عوام بھی جمع ہوئے۔ سلطان نے حکم دیا کہ سازش کرنے والوں کو آگ میں ڈال دیا جائے تاکہ جھوٹ اور سچ روشن ہو جائے۔ لیکن اس کے بارے میں جب علماء سے استفسار کیا گیا تو متدین علماء نے کہا کہ دب نا مشروع ہے اور آگ کے ذریعہ سے جھوٹ اور سچ کی تمیز نہیں کی جا سکتی ہے۔ سازش کی خبر

صرف ایک شخص نے دی ہے اور ایسے جرم میں ایک شخص کی شہادت قابل سماعت نہیں۔ اس لئے سلطان نے ”دب“ کا ارادہ ترک کر دیا اور قاضی جلال کو جو فتنہ کا سرغنہ تھا، بدایوں کا قاضی بنا کر وہاں بھیج دیا۔ خان زادوں اور ملک زادوں کو جلا وطن کر دیا اور ان کی املاک ضبط کر لی۔ برنج تن ہتھیار پایک کے کوتوال کو سزا دی۔ اس کے بعد سیدی مولہ کو باندھ کر سلطان کے کوشک کے پاس لایا گیا۔ سلطان نے ان سے خود مباحثہ کیا۔ مجمع میں شیخ ابوبکر طوسی حیدری بھی اپنی حیدری جماعت کے ساتھ موجود تھے۔ سلطان نے ان سے خطاب کر کے کہا ”اے درویشان! انصاف ازیں مولہ بستانید۔“ (ترجمہ: اے درویشو! مجھے اس مولہ سے انصاف دلاؤ) بحری نامی ایک حیدری نے بڑھ کر سیدی کو استرے سے زخمی کر دیا۔ ارکلی خان نے کوشک کے اوپر سے فیلبانوں کو اشارہ کیا۔ ایک ہاتھی سیدی کی طرف دوڑا اور ان کو پاؤں تلے مسل ڈالا۔“

اس کے بعد مولانا ضیاء الدین برنی اپنے تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

”ایسا حلیم و بردبار بادشاہ اس معاملہ میں مشوروں کو سننے کی طاقت نہ کر سکا اور ایسا حکم صادر کر دیا جس سے درویشی کی عزت جاتی رہی۔ مجھ کو یاد ہے کہ جس روز سیدی مولہ کا قتل ہوا ایک سیاہ طوفان آیا اور تاریکی چھا گئی۔ سیدی مولہ کے قتل کے بعد ملک میں طرح طرح کے فتور پیدا ہو گئے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ کسی درویش کو قتل کرنا نحس ہے اور کسی بادشاہ کو راس نہیں آتا۔ سیدی مولہ کے قتل کے بعد اس سال بارش نہیں ہوئی۔ دہلی میں قحط پڑ گیا۔ غلہ ایک چیتل میں ایک سیر ملنے لگا۔ سوالک کے علاقہ میں ایک قطرہ بھی بارش نہیں ہوئی۔ اس سرزمین کے ہندو عورتوں اور بچوں کے ساتھ دہلی چلے آئے بیس بیس اور تیس تیس آدمی ایک جگہ رہتے اور بھوک سے بیتاب ہو کر اپنے کو دریا میں غرق کر دیتے تھے۔ اولیٰ لوگ سلطان اور امراء کے صدقات پر زندگی بسر کرتے تھے۔“

اخبار الاخیار کے مصنف کا بیان ہے کہ ”جس روز سیدی مولہ کا قتل ہوا اندازباد و غبار فضا میں اٹھا۔ دنیا تاریک ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قیامت آ گئی ہے۔ سلطان جلال الدین نے یہ حال دیکھا تو سیدی مولہ سے اس کو اعتقاد پیدا ہو گیا، جو پہلے نہ تھا۔“

13 رمضان المبارک 724ھ میں شیخ بو علی قلندرؒ کا وصال ہوا۔ تاریخ وفات ”یا شرف الدین ابدال“ سے نکلتی ہے۔ کرنال میں مدفون ہوئے لیکن کہا جاتا ہے کہ اعزا و اقرباء نے ایک رات پوشیدہ طور پر نعش مبارک کو پانی پت لے جا کر دفن کر دیا۔ چنانچہ کرنال، پانی پت، بڈھا کھیڑا اور باگھوتی میں آج بھی ان کے معتقدین کا ہجوم رہتا ہے۔

حضرت شیخ بو علی قلندر رحمتہ اللہ علیہ کے نام سے حسب ذیل تصانیف منسوب ہیں:۔

1۔ مکتوبات بنام اختیار الدین 2۔ حکم نامہ شرف الدین 3۔ کنز الاسرار 4۔ رسالہ عشقیہ

مکتوبات کے بارے میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

”او را مکتوب است بزبان عشق و محبت مشتمل بر معارف و حقائق توحید و ترک دنیا و طلب آخرت و محبت مولے جملہ آن بنام اختیار الدین گوید۔

(ترجمہ: اس کا ایک مکتوب عشق و محبت کے پیرائے میں اختیار الدین کے نام سے جو توحید، ترک دنیا، طلب آخرت اور اللہ کی محبت کے متعلق حقائق و معارف سے لبریز ہے۔

خزینۃ الاصفیاء میں ہے:۔

”مکتوبات دی کہ بنام اختیار الدین مرید خود تحریر کردہ است۔ کتابے

است جامع علوم توحید۔" (ترجمہ: آپ نے جو مکتوبات اپنے مرید اختیار الدین کے نام تحریر کئے، وہ ایک کتاب کی صورت میں ہیں اور علوم توحید کے جامع ہیں۔)

سلطان شمس الدین التمش کے شاہی صاحب کا نام بھی اختیار الدین تھا۔ شاید یہ مکتوبات اسی کے نام ہوں بعض مکتوبات کے نمونے ملاحظہ ہوں۔

اے برادر جب تم پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی عنایت شروع ہو جائے تم میں جذبہ پیدا ہونے لگے اور تم کو تم سے دور کیا جائے تو گویا تم میں عشق کا آغاز اور تم پر حسن کا جلوہ ظاہر ہو گیا اور جب تم کو حسن کا مشاہدہ ہو جائے تو معشوق کو پہچانو اور عاشق بن کر معشوق ہو جاؤ اور جب عاشق بن کر معشوق ہو گئے تو اسی طرح کام کرو معشوق کی سنت اور عاشق کے فریضہ کو قائم رکھو۔ اس وقت معشوق کو عاشق کے ذریعہ سے پہچان لو گے۔

اے برادر معشوق کو تمہاری ہی صورت میں پیدا کر کے تمہارے درمیان بھیجا گیا ہے تاکہ براہ راست تم کو وہ عورت دے اے برادر خدائے عز و جل نے بہشت و دوزخ پیدا کیا اور اس کا حکم ہے کہ دونوں پر کئے جائیں گے معشوق کو عاشقوں کے ساتھ بہشت میں جگہ دی جائے گی اور شیطان اپنے ساتھیوں کے ساتھ دوزخ کو پر کرے گا بہشت و دوزخ میں عاشقوں کے سوا کوئی نہیں ہو گا دونوں عاشق ہی کے حسن سے پیدا ہوئے ہیں اور دونوں مقام غیر نہ ہوں گے بہشت دوست سے وصال کا مقام ہے دوزخ دشمنوں کے لئے جائے فراق ہے یہ فراق کافروں اور منافقوں کو حاصل ہو گا اور وصال محمد رسول ﷺ کے عاشقوں اور دوستوں کو نصیب ہو گا۔

اے برادر چشم دل کو کھولو اور اچھی طرح سے دیکھو اور یہ جانو کہ عاشق نے اپنے عشق سے تمہارے لئے کیا کیا چیزیں اور کیا کیا تماشے پیدا کئے ہیں اپنا حسن ایک درخت میں منتقل کر دیا ہے اور گوناگوں میوے پیدا کئے ہر میوہ میں

علیحدہ مزہ رکھا اور اس درخت کو نہ اپنی ذات کی خبر اور نہ اپنے پھول کی خبر اور نہ اپنے میوہ کی خبر ہے گنا تمہارے لئے پیدا کیا اور اس کو شکر کی خبر نہیں مشک کو ہرن کی ناف میں رکھا جو تمہارے لئے پیدا کیا اور گائے کو عنبر کی خبر نہیں زباد کو بلی سے تمہارے لئے پیدا کیا اور بلی کو زباد کی خبر نہیں کافور کو تمہارے لئے درخت سے پیدا کیا اور درخت کو کافور کی خبر نہیں صندل کو تمہارے لئے پیدا کیا اور صندل کو اپنی خبر نہیں اے برادر عاشق ہو جاؤ اور دونوں عالم کو معشوق کا حسن جانو اور اپنے آپ کو معشوق کا حسن کہو عاشق نے اپنے عشق سے تمہارے وجود کا ملک بنایا تاکہ اپنے حسن و جمال کو تمہارے آئینہ میں دیکھے اور تم کو محرم اسرار جانے اور الانسان سری انسان میرا بھید ہے تمہاری شان میں آیا ہے عاشق ہو جاؤ تاکہ حسن کو ہمیشہ دیکھو اور دنیا و عقبیٰ کو پہچانو عقبیٰ محمد ﷺ کی ملک ہے اور دنیا شیطان کی ملکیت ہے دونوں میں معلوم کرو کہ تمہارے لئے کس کو پیدا کیا ہے اے برادر نفس کو اچھی طرح پہچانو جب تم نفس کو پہچان لو گے تو دنیا کو بھی پہچان سکو گے اور اگر روح کو پہچان لو گے تو عقبیٰ کو پہچان لو گے اے برادر دنیا کفر میں جو حسن رکھا گیا ہے عاشق جانتے ہیں کہ اس نے یعنی حسن نے کفر کو اپنے عاشقوں کے سامنے کس قدر آراستہ کر دیا ہے جو دنیا کا عاشق ہے اس کا معشوق کفر کا حسن ہے اے برادر تم جانتے ہو کر حسن کا جو غمزہ کفر میں رکھا گیا ہے اس نے کس قدر پر لطف تیر دنیا والوں پر مارا ہے اور ان کو اپنا عاشق بنا لیا ہے۔

اے برادر اپنی جستجو میں رہو اور اپنے کو پہچانو جب تم اپنے نفس کو پہچان لو گے تو عشق کو بھی جان سکو گے اور جب عشق کو اپنے حسن پر دیکھو گے تو کل اللسان کی کیفیت اپنے میں پاؤ گے عاشق ہو جاؤ اور معشوق کو اپنی گود میں دیکھو اور حسن کو اپنے دل کے آئینہ میں معائنہ کرو۔

اے برادر۔ قند کا ایک گولہ لاؤ اور اس سے سو گولے بنا لو ہر گولہ سے

ایک صورت بناؤ اور ہر صورت کا ایک نام رکھو بعض کو گھوڑا اور بعض کو ہاتھی کہو تو تو قند کا نام جاتا رہے گا اور صرف وہ صورت باقی رہے گی جب کل صورتوں کو توڑ کر قند کا گولہ بنالو تو قند کا نام پھر ظاہر ہو جائے گا۔

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں۔

اے برادر یہ نہیں معلوم کہ ہم لوگوں کو کس لئے پیدا کیا گیا اور ہم لوگوں کے ساتھ کیا ہو گا لیکن خیال ہمیشہ فکر کے ساتھ وابستہ رہتا ہے کبھی فکر ہمارے دل کے آئینہ کو آراستہ کر دیتی ہے اور عاشق کے سامنے معشوق کو ظاہر کرتی ہے اور عاشق کو وہ حکم جس کو معشوق نے پہنچایا ہے عاشق کے فرض اور معشوق کی سنت کے مطالعہ میں بجا لاتی ہے عاشق کے عشق اور معشوق کے حسن سے باطن کو معمور رکھتی ہے اور حسن کے تماشہ سے عاشق اپنے ظاہر کو بھلا دیتا ہے اور اپنے باطن کے تماشہ میں مصروف ہو جاتا ہے تاکہ عاشق کا حکم جس کو معشوق نے پہنچایا ہے نافذ ہو جائے۔ اے برادر کبھی خیال نفس کا دوست ہو جاتا ہے اور حال خیال کے ساتھ متحد ہو کر دنیا کی روزی کی طرف لے آتا ہے خیال دنیا کی آرائش نفس کو دکھلاتا ہے اور اس کے شوق میں اس کو پریشان کرتا ہے اور اس کو یعنی نفس کو معشوق کے دروازے پر پھراتا ہے ہر دروازہ پر ذلیل کرتا ہے اور نفس شوق اور آرائش کی آسائش کی وجہ سے اس ذلت سے واقف نہیں ہوتا اور باز نہیں آتا اور یہ نہیں سوچتا کہ دنیا نے کسی کے ساتھ نہ وفا کی ہے اور نہ وفا کرے گی نہ اس کو نفس کی موت کی فکر ہوتی ہے کہ وہ دفعتاً آکر اس کو فنا کر دے گی۔ دنیا کی آرائش کا حسن دنیا کے عاشقوں کو اپنے عشق میں ایسا بے خبر کر دیتا ہے کہ نہ اس کو اس دنیا کی خبر ہوتی ہے جس کو انہوں نے معشوق بنایا ہے اس کو بھی ان کی خبر نہیں ہوتی کہ اگر دنیا ختم ہو جائے گی تو کیا واقعات ظہور پذیر ہوں گے اور نہ عقبیٰ کی خبر ان کو ہوتی ہے کہ ان کے سامنے کیا مہم در پیش ہے اے برادر سوچو کہ تمہارے سامنے ایک مہم در پیش ہے اور تم نے خیال اور فکر کو اپنا

مونس بنایا ہے خیال کی نسبت ہوش رکھو کہ وہ نفس کا دوست ہو گیا ہے اے برادر کچھ معلوم نہیں کہ خیال اور فکر کیا حال ہوش رکھو کہ وہ نفس کا دوست ہو گیا ہے اے برادر کچھ معلوم نہیں کہ خیال اور فکر کیا حال پیدا کریں جب وہ حال تم کو نظر آئے گا اس وقت تم کو معلوم ہو گا کہ یہ قسمت میں لکھا تھا کہ تمہارے سامنے آیا اے برادر میں نہیں جانتا ہوں کہ میں کیا کروں اور مجھ سے کون سا کام بن پڑے گا اور کیا میری زبان سے نکلے گا زبان خدا کی قدرت میں ہے اگر تم پر خدا کا فضل ہوا تو تمہاری زبان سے وہ بات نکلے گی جو دونوں جہان کو پسند ہو گی اے برادر اس قدر معلوم ہوا کہ خدا نے اپنی مشیت سے تم کو پیدا کیا اور اپنی مشیت سے باقی رکھتا ہے۔



اللہ تعالیٰ کی قربت

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز حصول قربِ الٰہی کے بیان میں فرماتے ہیں اور یہ وہی مسلک ہے، وہ طریق ہے اور وہی انداز عشقِ الٰہی ہے جس کی بنا حضرت رابعہؒ نے رکھی تھی۔ حضرت بندہ نواز گیسو دراز کا ارشاد ہے۔

"اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے عشق کے سوا جو کچھ بھی ہے، سب خرافات ہے! لہو ولعب ہی نہیں بلکہ ممنوع ہے۔ کیا وہ شے خدائے عزوجل سے دور رکھے، وہ ممنوع نہیں کہی جائے گی۔ خبردار! ایسی باتوں میں مت پڑنا، کہیں آب رواں پر کوئی نقش بنایا جا سکتا ہے۔ شور والی زمین میں کھیتی کرنے سے کچھ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے......؟"

"اندھیرے راستے میں آفتاب عالم تاب کا انتظار مت کرو۔ سب کو دل سے دور رکھو۔ خدا کو اس میں جگہ دو۔ ادھر ادھر دل نہ اٹکاؤ۔ دنیا میں ایسا انہماک نہ ہو کہ بندہ خدا کو بھول جائے اور اس کی یاد میں غفلت کرے۔ استغفر اللہ۔"

اس تعلیم و تعلم کی ابتدا حضرت رابعہ بصریؒ نے ہی کی تھی۔ ہوا یوں کہ

جب اپنے دنیاوی آقا سے آپ آزاد ہوئیں تو شہر سے باہر دریا کے کنارے پر انہوں نے ایک ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی میں بسیرا کیا اور دن رات یاد خدا میں مستغرق رہنے لگیں۔ پہروں گزر جاتے نہ وہ سوتیں، نہ کچھ کھاتیں۔ دن پہ دن اور برس پر برس گزرتے گئے۔ ایک بار ایک شخص نے ان کے ایسے استغراق کو دیکھ کر سوال کیا۔

"اللہ جل شانہ غفور الرحیم ہے۔ اس نے انسان کو اس قدر دکھ، تکلیف اٹھانے کو نہیں کہا۔ جیسا کہ خداوند قدوس قرآن مجید کی سورۃ البقرہ میں فرماتا ہے کہ وہ کسی انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ بار نہیں فرماتے۔"

"بے شک یہ صحیح ہے اور مجھے اس سے تعرض بھی نہیں۔ مگر کیا تمہیں معلوم ہے کہ میدان حشر میں جب مجمع انبیاء علیہم السلام ہوگا تو ان کے روبرو سب امت کے اعمال نامے کھولے جائیں گے۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ جب میرا نامہ اعمال کھلے تو اس میں بہت زیادہ نیک اعمال ہوں تاکہ سردار انبیاء علیہم السلام حضرت محمد ﷺ کو فخر ہو کہ اللہ اکبر...... جب امت محمدیہ کی ایک ادنیٰ کنیز اس درجہ نیک اعمال رکھتی ہے تو پھر اس امت کے احرار و ابرار اور علماء و صوفیاء کے اعمال کا کیا حال ہوگا اور وہ کس درجہ کے ہوں گے۔؟"

عصمت و عفت کی روشن تصویر

رابعہ بصریؒ ایک ایسی عفت مآب اور باعصمت خاتون تھیں کہ جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔

دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

صدیاں گزرنے کے بعد بھی آج تک ان کا نام تقدس اور تعظیم کی علامت ہے۔ آج کے اس بے ترتیب اور دین سے بہت حد تک بے پرواہ زمانے میں بھی ہر ذی شعور اس محترم خاتون کا نام تکریم اور احترام سے لیتا ہے اور ان کے مجاہدے، ان کی عبادت، ان کی ریاضت اور عشق الٰہی میں استغراق کا نہ صرف معترف ہے بلکہ اس پر رشک کرتا ہے۔ وہ ایسی باعظمت خاتون تھیں کہ اس عہد کے مشہور زاہد و عابد حضرت مالک بن دینار، حضرت ریاح القیس حضرت سفیان ثور، حضرت شقیق بلخی اور حضرت حسن بصریؒ ان کی محفل میں آنا، بیٹھنا اور ان کی گفتگو سننا فخر اور اعزاز سمجھتے تھے، دقیق مسائل کا حل پوچھتے تھے اور زہد و جذب کے اسرار نہاں کی گتھیاں حضرت رابعہ سے سلجھانے کو کہتے ہیں۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ اردو میں اس عظیم خاتون کی سیرت اور شخصیت پر

کوئی معقول کتاب دستیاب نہیں، انگریز دانشور مارگریٹ سمتھ نے جو لکھا، وہ بھی ادھر ادھر سے خوشہ چینی کی ہے لیکن پھر بھی وہ عام اردو پڑھنے والے تک نہ پہنچ سکا۔ اس وقت جو واحد کتاب دستیاب ہے وہ مصری خاتون وداد السکاکینی کی ایک کتاب ہے جس کا ترجمہ ایک پاکستانی نے کیا ہے۔ اس مصری خاتون نے یہ کتاب کب تصنیف کی، اس کا تو کوئی علم نہیں ہوتا مگر مترجم کی کتاب پر 1986ء میں گیارہواں ایڈیشن درج ہے۔

اگر دیکھا جائے کہ ہر ایک ایڈیشن ایک سے دو سال کے وقفے میں طبع ہوتا رہا ہے تو اس کتاب کو اردو کے قالب میں آئے کم و بیش بیس برس ہونے کو آئے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ کسی عالم، کسی صوفی، کسی دانشور اور کسی بھی عام مسلمان نے اس طرف توجہ نہیں دی کہ مصری مصنفہ نے حضرت رابعہ کی شان میں علم اور علم نفسیات کے حوالے سے کیسی گستاخی اور کتنی شرمناک زیادتی کی ہے۔

تصوف اور زہد کے مدارج اور مرتبے کو اس کی اصل سمیت نہ بھی ماننے والے مسلمان اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ خداوند قدوس ان گنت لوگوں کو مادر زاد ولی پیدا کرتا ہے۔ اس میں عورت و مرد کی کوئی تخصیص نہیں۔ ایک نہیں بیسیوں ایسے ثبوت تذکار اولیائے کرام میں ملتے ہیں کہ کس طرح قدرت نے اور رضائے خداوندی نے ماں کی کوکھ سے ہی کسی ولی، کسی زاہد، کسی عابد اور کسی صوفی کی نگہداشت کی اور پھر عمر بھر اس کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔ یہ بجا کہ تاریخ میں یہ واقعات بھی ہیں کہ کوئی چور ڈاکو کسی صاحب نظر کے کشف سے منزل سلوک پا گیا اور پھر خود بھی قطب کے درجے کو پہنچا مگر یہ کہنا کہ کسی فرد نے (خصوصاً کسی خاتون نے) اپنی بے حرمتی اور رد عصمت کی شکستگی کے رد عمل میں زہد کا راستہ اختیار کیا یا اس کے بعد اس کی زندگی میں انقلاب آیا، زہد و ولایت اور تصوف و سلوک کی راہ پر چلنے والوں کی شان میں

بہت گستاخانہ جرات اور شرمناک جسارت ہے۔

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ پاکستان اور ہندوستان کے علاوہ دوسرے کئی ممالک میں دینِ اسلام کو "نفسیات" کی کسوٹی پر پرکھنے کا ایک "فیشن" عام ہے۔ یہ وبا مغرب سے آئی ہے۔ مگر یہاں ذکر حضرت رابعہ اور ان کی سیرت نگار "سیدہ" وِدادالسکاکینی کا مقصود ہے اور خصوصاً اس عربی کتاب کے مصنف کا جس نے اس خاتون کی ہرزہ سرائی کو من و عن ترجمہ کر دیا ہے۔ وہ لکھتی ہے:

"بصرہ اس (رابعہ بصریؒ) کا وطن اور تربیت گاہ ہے۔ گو اس سرزمین نے اس پر سخت مظالم ڈھائے۔ وہ یقیناً اس سے محبت کرتی تھی اور دوسرے شہروں پر بصرہ کو ترجیح دیتی تھی۔ وہ وہاں کی گلیوں اور شاہراہوں سے خوب آشنا تھی۔ وہاں کی باوقار مسجد اور بھرے بازاروں سے محبت کرتی تھی۔ رابعہ بصرہ کی مجالسِ ذکر اور دینی مدارس میں گھومنے لگی۔ رابعہ کا یہ طرزِ زندگی جو اس نے غلامی سے رہائی کے بعد اختیار کیا۔ یقیناً اس کی نسوانی زندگی کے خلاف تھا۔ رابعہ نے ایک اسیر اور باندی کی حیثیت سے زندگی گزاری ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا وہ اپنے آقا کے دستِ بد سے محفوظ رہی جو اس کے پورے جسم کا مالک تھا......؟ اور کیا وہ آخرکار جس نے اسے اغوا کر کے بیچا تھا اس سے بھی وہ محفوظ رہی یہ سب کچھ اس کی غلامانہ زندگی کے بارے میں محض ایک تخمینی بات ہے۔ ہو سکتا ہے کہ رابعہ کو کچھ ایسی تکلیف دہ باتیں پیش آئی ہوں جس سے اس کی عصمت و عفت پر بھی حرف آیا ہو اور آزادی کے بعد یہی دست درازیاں اس کی زندگی میں انقلاب کا باعث بنی ہوں۔

"کہتے ہیں نفسِ انسانی میں بھی کبھی خاص خاص حالات و جذبات کے تحت انقلابات آتے ہیں۔ جس طرح قوموں میں پوشیدہ حوادث بڑے بڑے انقلابات کا سبب بن جاتے ہیں۔ نفسِ انسانی بھی تو ایک قوم کی سی حیثیت رکھتا

ہے جس میں بغاوتیں اٹھتی رہتی ہیں۔ حوادث کا نزول ہوتا ہے اور انقلابات برپا ہوتے ہیں۔ دنیا میں ایسے کتنے ظالم اور کج رو گزرے ہیں جو گناہوں کے عادی تھے پھر نہایت پاکباز بنے اور سچے دل سے تائب ہو گئے اور عمر بھر سیدھی راہ پر قائم رہے۔ بعض اقوام اور افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو اضداد کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کی شخصیات عجیب پیچیدہ حالات میں مستور ہوتی ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے اور کبھی شیطان عابد و زاہد حضرات کے سامنے باربار آ کھڑا ہوتا ہے۔ ان کی عمریں وعظ و دین کے لئے وقف ہوتی ہیں ان کی داڑھیاں لمبی گدڑی سخت اور کھردری ہوتی ہے اور ان کے عمامے نہایت مکلف اور سفید ہوتے ہیں۔ مگر پھر اچانک وہ حجروں اور معبدوں سے باہر نکل آتے ہیں اور فتنہ و فساد کی گہرائیوں میں اتر جاتے ہیں۔"

"پادری بافنوس بھی ایک ایسا ہی فرد تھا۔ وہ قدیم زمانے میں مصر سے چلا اور ننگے پاؤں سکندریہ پہنچا تاکہ اپنے آپ کو فاحشہ تائیس کے قدموں میں ڈال دے۔ تائیس ایسی فاحشہ تھی کہ جس کی محفل رات دن طرح طرح خوشبوؤں اور ہر قسم کی شراب کی بو سے مہکتی تھی اور جس کا محل فسق و فجور سے آباد رہتا تھا مگر کیا وہ مرتے دم تک ایک مقدس پاکباز عورت نہیں بن گئی تھی۔"

مندرجہ بالا طویل اقتباس ابھی جاری ہے۔ وداد السکاکینی اپنا استدلال جاری رکھتی ہے اور جس طرح کوئی شخص سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کسی "سازش" کا ارتکاب کرتا ہے اس طرح یہ خاتون بھی بڑے دھیمے انداز میں ادھر ادھر کی مثالیں دیتی ہوئی رابعہ بصریؒ کی "داغدار نوجوانی" (استغفراللہ) کا ذکر کرنا چاہتی ہے بلکہ اس بات کو ثابت کرنا چاہتی ہے۔ ہم نے ابتدا میں خود اس کیفیت کا حوالہ دیا تھا کہ ربِ ذوالجلال جب چاہے کسی کی کایا پلٹ کر رکھ دیتا ہے۔ تاریخ میں ایسی مثالیں تو شاذ ہی ملتی ہوں گی کہ کوئی زاہد و عابد گناہ کے

راستے پر چل پڑا ہے۔ تاریخ کے سینکڑوں' لاکھوں صفحات اس بات کے گواہ ہیں کہ راسخ العقیدہ لوگ سولیوں پر لٹک گئے مگر اپنے مسلک سے منحرف نہ ہوئے۔ قرآنی حوالوں اور دیگر مذہبی صحیفوں سے اس بات کا مکمل ثبوت ملتا ہے کہ اللہ جل شانہ' ولیوں' قطبوں اور ابدالوں کو پیدائش کے وقت سے ہی یہ مرتبہ عطا فرما دیتا ہے بلکہ مزید صراحت کی جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان کی ماں کے پیٹ میں ہی اسی انداز سے پرورش ہوتی ہے۔ یہ خاتون وداوالکا کینی اپنا بیان جاری رکھتی ہے:

''بے شک دنیا عجائبات سے پر ہے اور اس عالم میں قسم قسم کے حوادث ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس قسم کے حالات سے غلامی کے بعد رابعہ کو بھی دوچار ہونا پڑا ہو اور اس کی زندگی کا یہ انقلاب غلامی کی زندگی کا ردعمل ہو۔ جب وہ آزادانہ نکل کھڑی ہوئی تو نوعمر حسین لڑکی تھی۔ آزادی اور بے خوفی کی خوشی میں ممکن ہے وہ اسی سیلاب میں بہہ گئی ہو' جس میں عموماً ہر نوجوان روٹی اور تنہائی کے سوال کے ڈر سے بہہ جاتا ہے۔ بہرحال نفسیاتی تجزیہ و تحلیل میں اس قسم کی بحث کے لئے گنجائش تو ضرور ہے۔''

''طبیعت کا بدل جانا ایک فطری امر ہے۔ کیونکہ آج تک کوئی انسان ایسا نہیں گزرا جو اول سے آخر تک ایک ہی حالت میں رہا ہو۔ زندگی بھی کرۂ ارضی کی طرح ہے۔ اس میں پہاڑیاں بھی ہیں اور نشیبی علاقے بھی۔ اتار اور چڑھاؤ بھی۔ کبھی ہم اوپر کی طرف چڑھتے ہیں اور کبھی نیچے کی طرف لڑھکتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہمیں معلوم بھی نہیں ہوتا کہ ہمارا کیا انجام ہوتا ہے۔''

''آزادی کے بعد رابعہ حسین' نازک اندام' آزاد عورتوں سی زندگی گزارنے لگی۔ اس نے ایک نئی زندگی میں قدم رکھا۔ روشن معطر راتیں گزاریں اور اس کی پاکی' سختی' درشتی کو چھوڑ بیٹھی جس کی وہ بچپن سے عادی تھی۔ آیا وہ اپنی پچھلی آزادی سے انتقام لے رہی تھی جو اسے غلامی اور لغزشوں

سے نہ بچا سکی؟ یا خشک زاہدانہ زندگی کا یہ ردعمل تھا جس نے اسے حیرت انگیز طور پر بالکل بدل ڈالا تھا؟ اس قسم کی باتیں ہر انسان کو پیش آتی ہیں خواہ وہ کسی مذہب اور قوم سے تعلق رکھتا ہو۔''

ابھی فاضل مصنفہ کا ''فلسفہ'' ختم نہیں ہوا مگر درمیان میں اس کی تحریر کے سلسلے کو توڑنے کی یوں ضرورت پڑی کہ...... ع

نقلِ کفر' کفر نہ باشد

کے مصداق اگرچہ ہم اس سے متفق تو نہیں ہوتے' تاہم اس کی تحریر پریشان کر کے رکھ دیتی ہے اور تلملاہٹ میں قدم روک کر اپنے ذہن میں آئے سوالات کو سامنے لانا پڑتا ہے۔ مصنفہ' مترجم' ناشر یا کوئی اور کیا یہ بتا سکتے ہیں (مصنفہ کا عرصہ حیات درج نہیں' نہ جانے وہ زندہ بھی ہے کہ نہیں) کہ آخر مصنفہ کا مقصد کیا ہے؟

کتاب کی ابتداء میں وہ اس تصدیق کے ساتھ بات کرتی ہے کہ رابعہ بہت بچی تھی تو اس وقت بھی عبادت گزار بلکہ شب زندہ دار تھی۔ اور اس نے حضرت رابعہ کے ایک سے زیادہ ایسے واقعات ضبط تحریر میں لائے ہیں۔ مثلاً اس نے وہ واقعہ درج کیا ہے کہ جب حضرت رابعہ کے والد رات کو جاگے تو انہیں کسی کی گریہ وزاری کی آواز آ رہی تھی...... وہ اٹھے تو انہوں نے دیکھا کہ رابعہ عبادت الٰہی میں مشغول ہے...... پھر اسی مصنفہ نے وہ واقعہ بھی درج کیا ہے کہ جب بچپن میں ہی رابعہ نے کھانے سے پہلے اپنے والد سے یہ گہرا اور پرمغز سوال کیا تھا:

''میں سوچ رہی ہوں کہ ''کیا یہ کھانا حلال بھی ہے کہ نہیں؟''

ان سب واقعات کے بعد وہ یہ ثابت کرنے پر تلی ہوئی ہے کہ نوعمری میں رابعہ کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی اور وہ عصمت کا گوہر کھو چکی تھیں۔ (خدانخواستہ) پھر مصنفہ بغیر کسی تاریخی حوالے' کسی ثبوت یا کسی گواہی کے

نہایت ڈھٹائی سے تحریر کرتی ہے کہ رابعہ نے غلامی سے نجات پانے کے لئے آزادانہ' پرتعیش اور معطر راتیں گزاریں۔ (استغفر اللہ)

اس کے بعد وہ ڈاکوؤں کے تائب ہونے اور کسی فاحشہ کے راہ راست پر آنے پر کسی پادری کے بھٹکنے کے واقعات بیان کرتی ہے اور کہتی ہے کہ انسانی زندگی میں کسی زیادتی یا انقلاب کی وجہ سے رد عمل ہوتا ہے؟...... ہم یہ پوچھتے ہیں کہ رابعہ تو "زیادتی" ہونے یا کسی بھی انقلاب کے در آنے سے پہلے ہی پرہیزگار اور پاکباز تھیں۔ اگر مصنفہ کے استدلال کو درست مان لیا جائے تو پھر وہ اس بات کی وضاحت کرنے میں کیوں ناکام رہی ہے کہ حضرت رابعہ "معطر راتیں" گزارنے کے بعد پھر دوبارہ کیسے اصل زندگی کی طرف لوٹیں۔ ان کی قلب ماہیت کیسے ہوئی؟ پھر کون سا انقلاب آیا' کس صاحب نظر نے ان کی زندگی بدلی۔ نیکی سے بدی کی طرف سفر تو وقت سے انتقام تھا۔ لیکن دوبارہ ترک دنیا' ترک لذات اور عشق الٰہی کی طرف کونسا جذبہ لے کر آیا۔ ذرا ملاحظہ فرمائیں "سیدہ" دواد السکاکینی کیسے کیسے مفروضے گھڑتی ہے اور کتنا زور لگا کر یہ ثابت کرنے پر مصر ہے کہ اس کا علمی اور نفسیاتی تجزیہ درست ہے۔ اس کا بیان چل رہا ہے:

"رابعہ کی ابتدائی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے میرے دماغ میں کیسے کیسے تصورات چھائے ہوئے ہیں۔ میرے اور رابعہ کے درمیان صدیوں کا فاصلہ ہے۔ اس کی پرہیزگاری کے متعلق کتابیں اور اس کے سوانح میرے ارد گرد پھیلے پڑے ہیں۔ یہ مجھے دعوت دیتے ہیں کہ میں اس کی پوشیدہ زندگی پہ بحث کروں۔ اس تحقیق اور غور و خوض میں میری مخیلہ ان طویل زمانوں کو چیرتی ہوئی ان حسین عشق باز' عورتوں تک پہنچ جاتی ہے۔ جن کی تصویر بیئر لوئیس نے تائیس کے ڈرامے اور گانوں میں کھینچی ہے۔ یہ عورتیں باوجودیکہ تقویٰ و طہارت کو کچھ نہ سمجھتی تھیں۔ پھر بھی تقویٰ و طہارت کی طرف مائل تھیں۔

قبرص کی حسینہ ستاڈویکا یہ تمنا کرتی ہے کہ مرنے کے بعد اس کی قبر پر لکھ دیا جائے کہ یہاں ایک پرہیزگار ترین عورت سوئی ہے' جس نے کبھی عصمت فروشانہ زندگی گزاری تھی۔"

"یہ سب کچھ تخمینی و استنباط ہے جو میں نے بڑی احتیاط سے لیا ہے۔ مجھے تاریخی اور صوفیانہ کتابوں میں کوئی چیز ایسی نہیں ملی جس میں ان حالات کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ بعض مصنفین ایسے ہیں جنہوں نے رابعہ کی زندگی پر پوری روشنی ڈالی ہے لیکن اس مبہم زمانے کے بارے میں خاموش ہیں۔ بعض مصنفین نے رابعہ کے سلوک و تصوف سے متعلق اس کی سابقہ زندگی کی روشنی میں اقوال سلف کی ایسی تاویلیں کی ہیں جن سے اس کے مدعا کی تائید ہوتی ہے۔ ان کی یہ کوشش خواہ شرارت پر مبنی ہو یا تحقیق علمی پر۔ مجھے اس سے سروکار نہیں۔ کیونکہ میں مباحث علمیہ کے اصول طے کرنے نہیں بیٹھی بلکہ رابعہ کے سوانح لکھنے بیٹھی ہوں۔ گو مجھے یہ تعلیم ہے کہ ہمیں تاریخی و منطقی دلائل کو ماننا چاہیے۔ میں جانتی ہوں کہ تاریخ ایک ایسا دم محترم ہے جس میں نہ تو ہمیں زیادتی کا کوئی حق حاصل ہے نہ کمی کا۔ اگرچہ ہماری تاریخیں اس قسم کی کمی و زیادتی سے خالی نہیں کیونکہ مصنفین نے کتابیں خاص خاص اغراض کے تحت لکھی ہیں اور اپنے زمانے کے حالات کا خیال رکھا ہے۔ اس لئے مورخ کو کمی یا زیادتی کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ یہ کوئی افسانہ تو نہیں کہ ادیب اس میں کمی یا زیادتی کر دے۔ رابعہ کے اسرار کی تلاش اور اس پوشیدہ دور کے جاننے کے لئے ہمیں یقیناً کسی ایسی روشنی کی تلاش کرنی پڑے گی جو صحیح تجزیے تک پہنچا دے۔ ہمیں کوئی بھی ایسی نص صریح نہیں ملتی' نہ کوئی ایسا شافی بیان ملتا ہے جو تحریف و التباس سے پاک ہو اور رابعہ کی پوشیدہ زندگی اور اس کے اسباب و مسائل پر روشنی ڈال سکے۔ نہ ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل ہے جو ہمارا ادعا ثابت کر سکے کہ رابعہ آزادی کے بعد جادۂ مستقیم سے ہٹ گئی تھی۔ شاید...... اس نے

شادی کرلی ہو اور ناکام رہی ہو یا کسی سے محبت کی ہو اور نامراد رہی ہو اور اسی صدمے نے اس پر ایک کاری ضرب لگائی ہو۔ علاوہ بریں اگرچہ رابعہ آزاد ہو گئی تھی لیکن اپنے آپ کو ایک آزاد کردہ کنیز ہی سمجھتی رہی۔ جس طرح عرب کے آزاد کردہ ہمیشہ اپنے آپ کو آزاد کردہ غلام ہی سمجھتے رہے۔ یہ بات قرین عقل اور معقول معلوم ہوتی ہے۔ آزاد شدگان کا مسئلہ اہل عرب میں خاص اہمیت رکھتا تھا۔ خصوصاً بنو امیہ کے دور میں جو عربیت واصالت کو بہت اہمیت دیتے تھے اور جن کی سیاست حسب ونسب پر مبنی تھی۔ وہ جہاد و فتوحات سب چیزوں میں اپنے ہی آپ کو حقدار سمجھتے تھے۔ آزاد شدگان کو انہوں نے اس قسم کا کوئی حق نہ دیا تھا جس کی وجہ سے لوگ تنگ دل تھے۔ اس لئے کچھ ایسی مشکلات پیدا ہو گئی تھیں جن کے حل کرنے لئے فقہاء کا پیٹ بھرنا پڑا اور اگلے اماموں نے ان پر بہت سی کتابیں لکھیں۔ ادھر جدید قدیم ادباء اور مورخین نے بھی یہ مسئلہ موضوع بحث بنایا۔ کیونکہ فن و فکر اور ادب کو آزاد شدگان سے ایک خاص علاقہ رہا ہے۔ ان میں سے کچھ ایسے شعراء اور ادباء پیدا ہوئے جو خاص عربوں سے سبقت لے گئے۔ وہ ان سے تدبیر اور تقریر و تحریر اور کمال فن میں بہت آگے نکل گئے۔ مگر غلامی سے آزادی پانے کا خیال ان کے دلوں کو مکدر کئے رہتا تھا اور یہ نفسیاتی عقدہ کسی طرح نہ کھل سکتا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کیونکہ میرے پاس اس کے متعلق دلائل ہیں کہ رابعہ کسی نحوست و نکبت میں مبتلا رہی ہو' یا زندگی کے کسی میدان میں ناکام رہی ہو یا اسے کوئی خاص حادثہ پیش آیا ہو مگر ہم یقیناً یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کیا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ زہد و تقشف اس کا نتیجہ ہو جو ایک دم آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑا اور اس کی زندگی کی بالکل بدل کر رکھ دیا۔ اس لئے وہ اچانک زاہدوں کے گروہ میں شریک ہو گئی اور دنیوی طمطراق سے منہ موڑ کر مجالس ذکر و وعظ میں آنے جانے لگی۔ حالانکہ ابھی نوجوان تھی۔ تاریخ میں کسی ایسی تارک الدنیا عورت

کا حال نہیں ملتا جس نے بلا سبب ترک دنیا کیا ہو۔ خصوصاً جب وہ حسن و جمال اور جوانی و آزادی کی مالکہ ہو۔"

مصنفہ نے پہلے تو دعویٰ کیا کہ ان کے پاس "دلائل" ہیں۔ مگر پھر کہیں بھی کوئی ایک دلیل نہیں دی کہ اس کے خیال میں رابعہ کی زندگی کے یہ نشیب و فراز کیسے اور کیوں آئے..... ؟ وہ کہتی ہے..... "تاریخ میں کسی ایسی تارک الدنیا عورت کا حال نہیں ملتا جس نے بلا سبب ترک دنیا کیا ہو......!" مگر محترمہ مصنفہ نے اپنے کلیے کے مطابق ان خواتین کا ذکر یا ان کے نام بھی نہیں لکھے، جو تارک الدنیا ہوں۔ اصل میں واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں ترک دنیا جائز نہیں ہے۔ حقوق العباد اسلام کے بنیادی فرائض میں سے ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے عبادت و ریاضت یا چلہ کشی یا اعتکاف کے لئے یا قرب الٰہی کے حصول کے لئے کچھ عرصہ عزلت نشینی اختیار کی۔ رفتہ رفتہ وہ بھی مرجع خلائق ہوتے گئے اور ان کے نیاز مندوں نے انہیں بستیوں اور آبادیوں سے باہر بھی جا کر اپنی عقیدتوں کا مرکز بنا لیا۔ پھر تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ ایک ایسا عہد گزرا ہے جس میں "صوفیا" کا ایک ایسا گروہ رہا جو شریعت کے مروجہ اصولوں سے انحراف کرتا رہا۔ اس انحراف میں بھی خدا اس کے رسولؐ اور قرآن و حدیث کی نفی نہیں ہوتی تھی، یہ ان کی طریقت کا ایک اپنا انداز یا ڈھنگ تھا۔ انہی میں سے اہل سلامت بھی ابھرے اور سلامتی صوفی کہلائے۔ یہ سلسلہ طریقت کسی نہ کسی صورت میں آج تک رائج ہے، لیکن اس صوفیا کے تمام تر افعال و کردار میں کہیں بھی شریعت کی نفی یا خدا اور اس کے رسول ﷺ کی عظمت سے انکار نہیں۔ بہرکیف..... یہ ایک الگ بحث ہے اور اس میں سے درست کیا ہے اور جسے غلط کہا جا سکتا ہے، وہ غلط کیوں ہے، یہ تجزیہ کرنا یا فیصلہ دینا نہ ہمارا منصب ہے نہ اس تحریر میں اس کا مقصد۔

مصنفہ سیدہ وداد السکاکینی نے اتنے تضادات سے کام لیا ہے کہ معلوم

ہوتا ہے اس کا اپناذہن صاف نہیں اور وہ تاریخ کو ہی نہیں سیرت رابعہ کو مسخ کرنے کا لاشعوری ارادہ کیے ہوئے تھی۔ ابتدا میں وہ خود بیان کرتی ہے کہ ایک دن رابعہ اپنے آقا کا سودا سلف لینے بازار گئی تو کوئی بد کردار شخص بری نیت سے اس کی طرف بڑھا۔ وہ گھر کی طرف بھاگی مگر بصرہ کی اونچی نیچی گلیوں میں بھاگتے ہوئے گر پڑی اور اس کا ایک بازو ٹوٹ گیا۔ اس نے اسی طرح دن بھر اپنے دنیاوی آقا کی خدمت کی اور رات کو جب آقائے دو جہاں کے حضور نماز کے لئے کھڑی ہوئی تو یوں عاجزی اور انکسار سے دعا کرنے لگی۔

"پروردگار! میرا ہاتھ ٹوٹ گیا ہے۔ میں غلامی اور درد و کرب میں مبتلا ہوں اور ان مصیبتوں کو جھیلنے کے لئے تیار ہوں، لیکن مجھے تو یہ بتا دے کہ تو مجھ سے راضی ہے.....؟

اے خدا! میرے لئے تو بس تیری رضا مندی کافی ہے۔" یہ دعا رقم کرنے کے بعد مصنفہ خود لکھتی ہے۔

"غم انسان کے دل کو ضرور متاثر کرتا ہے مگر زاہد شکوہ و شکایت نہیں کرتے۔ یہی حال رابعہ کا تھا۔ کیونکہ عابد و زاہد لوگ ایک وسیع دنیا میں رہتے ہیں، جہاں بڑے بڑے حوادث چھوٹے معلوم ہوتے ہیں اور رنج و غم بے وقعت دکھائی دیتے ہیں۔"

ان تضادات اور ژالیدہ فکری سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ مصنفہ خود کسی نفسیاتی عارضے میں مبتلا ہے یا خود کسی ایسے تجربے سے گزر چکی ہے جس کے بعد وہ ہر عورت کو چاہے وہ "مقدس عورت" ہی کیوں نہ ہو، اسی آئینے میں دیکھنا چاہتی ہے۔ قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ کا شاید ایسے ہی موقع محل پر حوالہ دیا جا سکتا ہے۔

"اے نبی (ﷺ) آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو اور غافلوں کو چھوڑ دو کہ وہ اپنی بک بک میں کھیلتے رہیں۔"

وصال

ایک مدت تک لوگوں کو راہ حق کی روشن شاہراہ پر گامزن کرتے اور حق و صداقت کی راہ پر چلتے رہنے کی تلقین کرنے والی یہ عظیم شخصیت حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا پر آخر کار وہ وقت بھی آہی گیا جو ہر ایک ذی روح پر آتا ہے۔ یہ 185ھ کی ایک ساعت تھی کہ آپ بستر علالت پر آرام فرما تھیں۔ بصرہ کے چند نیک دل لوگ آپ کی عیادت کرنے کی غرض سے آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک آپ نے حاضرین سے فرمایا، آپ حضرات یہاں سے ہٹ جائیں اور ملائکہ کے لئے جگہ چھوڑ دیں۔ آپ کے حکم پر سب لوگ اٹھ کر باہر نکل گئے اور آپ نے دروازہ بند کر لیا۔ کچھ دیر تک اندر سے گفتگو کرنے کی آوازیں آتی رہیں۔ اس کے بعد جب آوازیں آنا بند ہو گئیں تو لوگ اندر داخل ہو گئے۔ دیکھا کہ اللہ کی عبادت گزار بندی، نیکی و بھلائی کی مجسم صورت، فرشتہ صفت مجاہدہ، عابدہ، زاہدہ، صالحہ، فخر نساء فی العالمین حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اس دنیا سے رحلت فرما چکی تھی۔ آپ نے 185ھ میں بصرہ میں وصال فرمایا اور بصرہ ہی میں آپ کو دفن کیا گیا۔

محبت کا یہ اظہار اٹھاسی برس تک جاری رہا۔ حضرت رابعہ بصریؒ 185ھ میں اس طرح دنیا سے رخصت ہوئیں جیسے باد نسیم کا کوئی جھونکا تیزی سے گزر جائے۔ وفات سے تھوڑی دیر قبل بصرہ کے کچھ لوگ عیادت کے لئے حاضر ہوئے۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے انہیں دیکھ کر فرمایا۔

"فرشتوں کے لئے راستہ چھوڑ دو۔"

لوگ باہر چلے گئے تو آپ نے بستر سے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔ کچھ دیر تک بات کرنے کی آوازیں آتی رہیں۔ پھر جب خاموشی چھاگئی تو لوگوں نے دروازہ کھولا۔ حضرت رابعہ بصریؒ دنیا سے رخصت ہو چکی تھیں۔ لوگوں نے اشکبار آنکھوں سے دیکھا۔ محبت کا نغمہ سرمدی خاموش ہو چکا تھا مگر اس کا سوز اہل دل کو آج بھی اسی شدت سے محسوس ہوتا ہے۔

ایک اور بھی روایت ہے کہ حضرت رابعہ عدویہ بصریہ رحمتہ اللہ علیہا کا انتقال 185ھ میں ہوا۔ مگر بعض مورخین 180ھ بھی درج کرتے ہیں۔ وفات کے وقت وہ بہت علیل ہو گئی تھیں۔ کسی کے سوال کرنے پر فرمایا۔

"افسوس۔ جو بیماری مجھے ہے۔ اس کا علاج کوئی طبیب نہیں کر سکتا۔ اس کی دوا تو دیدار خدا ہے جو یہ تکلیف برداشت کر رہی ہوں تو صرف اس امید پر کہ آخرت میں مقصود کو پالوں۔"

پھر کہا۔

"میں ڈرتی ہوں کہیں آخری گھڑی غیب سے یہ آواز بلند نہ ہو جائے کہ رابعہؒ ہمارے سامنے کھڑی ہونے کے قابل نہیں۔

جب مالک حقیقی کا بلاوا آیا تو وہ بہت علیل تھیں۔ کچھ کمزوری اور مسلسل عبادت اور ریاضت کی تھکن۔ حضرت مالکؒ بن دینار عیادت کو آئے اور دریافت کیا۔

"رابعہؒ تمہیں اس دنیا میں کس چیز نے سب سے زیادہ تکلیف دی۔"

آپ نے جواب دیا۔

"مصیبت نے۔"

پھر دریافت کیا۔

"کیا کسی چیز کو تمہارا دل چاہتا ہے؟"

فرمایا۔ "ہاں مغفرت کو!"

مالکؒ بن دینار نے سوال کیا کہ کیا دنیا کی بھی کسی چیز کی خواہش ہے۔

جواب دیا۔

"تیس برس سے تازہ کھجور کھانے کو جی چاہتا ہے۔ مگر اب تک نہیں کھائی، مالکؒ بن دینار سوچ میں پڑ گئے کہ اب جب یہ چند گھڑی کی مہمان ہیں، اتنی جلدی تازہ کھجوریں کہاں سے اور کیسے لائی جا سکتی ہیں؟ ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ ایک پرندہ اڑتا ہوا آیا اور ایک کھجور قریب ڈال گیا۔ مالکؒ بن دینار نے فوراً وہ کھجور حضرت رابعہؒ کی خدمت میں پیش کی، انہوں نے پوچھا۔

"کہاں سے آئی ہے۔"

مالکؒ بن دینار نے پورا واقعہ بیان کر دیا۔

حضرت رابعہؒ یہ سن کر فرمانے لگیں۔

"نہیں معلوم کہ یہ پرندہ یہ کھجور کس کے باغ سے لے آیا ہے۔ اس حالت میں اس کھجور کا کھانا مناسب نہیں ہے۔ اب تو میں اپنے اللہ کے پاس پہنچ کر ہی کھجور کھاؤں گی۔"

اس کے بعد آپ نے کہا۔

"مجھے اکیلے مکان میں اللہ واحد کے ساتھ اکیلا کر دو۔ راستہ کشادہ کر دو۔ کیونکہ موت قریب آگئی ہے۔"

لوگ بہت مغموم ہوئے اور مجبوراً انہیں تنہا چھوڑ دیا۔ اتنے میں مکان کے دروازے کی طرف سے آواز آئی۔

یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ o ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً o

ترجمہ: اے ایمان والی روح تو تو اپنے پروردگار کے جوارِ رحمت کی طرف چل۔ اس طرح کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش۔ یہ آواز سن کر لوگوں نے مکان کا دروازہ کھولا۔ تو رابعہ بصریؒ عاشق الٰہی اپنے مطلوب سے جا ملی تھیں۔ ان کے قریب ہی ایک انگلی پر ان کا کفن لٹکا ہوا تھا، جو زندگی بھر انہیں آخرت کی یاد دلاتا رہا۔

حضرت رابعہؒ کو بصرہ میں دفن کر دیا گیا۔

کچھ مورخین نے غلط فہمی کی بنیاد پر ان کی قبر بیت المقدس کے قرب و جوار اور دمشق کے محلے قمریہ میں بتائی ہے۔ مگر امر واقعہ یہ ہے کہ یہ دونوں قبریں علی الترتیب رابعہؒ بدویہ اور رابعہؒ شامیہ کی تھیں جو حضرت رابعہ بصریؒ کے بعد کے زمانے میں آئیں اور کافی پرہیزگار اور صالح خواتین تھیں۔

ارشاداتِ رابعہ بصریؒ

☆ حضرت رابعہؒ اندر بیٹھی تھیں کہ خادمہ نے آکر کہا کہ بی بی باہر نکلو، کیا بہار آرہی ہے۔ آپ نے فرمایا باہر صنعت ہے اور اندر صانع میں اس کے مشاہدہ میں مشغول ہوں۔

☆ عورتوں کی فضیلت کے مباحثے میں فرمایا کہ اگر ان میں کوئی نبی نہیں ہوئی تو کسی عورت نے خدائی کا دعویٰ بھی نہیں کیا۔ اس کے علاوہ انبیاء، اولیاء، صدیق ان ہی کی گود میں پرورش پاتے اور بڑے ہوتے ہیں۔

☆ معرفت کا پھل خدا کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

☆ آپ یہ دعا کیا کرتی تھیں یا اللہ میرا جو حصہ دنیا میں ہو وہ اپنے دشمنوں کو دے دیجئے اور جو میرا حصہ آخرت میں ہو وہ اپنے دوستوں کو دے دیجئے اور میرے واسطے تو آپ کافی ہیں، سبحان اللہ۔

☆ پانی میں چلنا مچھلی کا کام ہے، ہوا میں اڑنا مکھی کا، کرامت ان دونوں سے باہر ہے۔

☆ جب بندہ نعمت پر شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت پر بھی شکر کرتا ہے تو اللہ جل شانہ بندہ سے راضی ہوتا ہے۔

☆ اللہ جل شانہ جب کسی کو توبہ کی توفیق دیتے ہیں تو انسان توبہ کرتا ہے اور پھر قبول بھی فرماتا ہے۔

☆ جب سے میں نے ایسی ذات (اللہ) کو جو باوجود گناہ کے روزی بند نہیں کرتا اور اپنے عاشقوں کو بے آب و دانہ زندہ رکھتا ہے، پہچان لیا ہے، غیر خدا سے امید رکھنی چھوڑ دی ہے۔

☆ میں اس بات سے ڈرتی ہوں کہ مرنے کے وقت اللہ تعالیٰ یہ نہ کہہ دے کہ تو ہماری درگاہ کے لائق نہیں۔

☆ حضرت رابعہؒ کے گھر چراغ نہ جلتا تھا۔ آپ فرمایا کرتی تھیں مجھے تین غم ہیں (1) مجھے معلوم نہیں کہ میری موت ایمان پر ہوگی یا کفر پر (2) میرا نامہ اعمال قیامت کے دن داہنے ہاتھ میں ہوگا یا بائیں ہاتھ میں۔ (3) پتہ نہیں قیامت میں داہنی طرف جنت میں جانے والی جماعت کے ساتھ رہوں گی یا بائیں طرف دوزخ میں جانے والی جماعت ہیں۔

☆ مجھے ثواب کی امید اس وقت ہوتی ہے جب اپنے نیک اعمال و عبادات کو کم خیال کرتی ہوں۔ کیونکہ اس وقت میرا اعتماد محض اللہ کے فضل پر ہوتا ہے۔

☆ اللہ سے قناعت پسند دل مانگو، یہ بہت بڑی نعمت ہے۔

☆ خود بینی کی توبہ ایک دوسری توبہ کی محتاج ہے۔

☆ اگر دوزخ اور جنت نہ ہوں تو کیا خدا اس لائق نہیں کہ اس کی پرستش کی جائے۔

☆ اگر تم دنیا سے فارغ ہو تو دنیا کی بھلائی برائی کی تمہیں پروا نہیں ہو سکتی۔

☆ اے نفس! تو اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویدار ہے اور اس کی نافرمانی بھی

کرتا ہے۔ اگر تو محبت میں صادق ہے تو اپنے رب کی اطاعت بھی کر۔ محبت کرنے والا اپنے محبوب کی اطاعت ضرور کرتا ہے۔

محبت ازلی اور ابدی ہے۔

دل کو قابو میں رکھنا اور اختیار ہونے پر ناجائز خواہشوں کو روکنا مردانگی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆